ایوانِ شاد

کا

ایک مشاعرہ

(تمثیل)

غلام جیلانی

مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد شاد کی ڈیوڑھی کی ایک شعری محفل

مطبوعات ادبی ٹرسٹ

سلسلہ نمبر ۱۳

طبع اول

تعداد : پانچ سو

طباعت : انتخاب کمپیوٹر پریس، جواہرلال نہرو روڈ، حیدرآباد۔

تاریخ اشاعت : / فبروری ۱۹۹۴ء

طباعت سرورق : انتخاب پریس جواہرلال نہرو روڈ، حیدرآباد

سرورق : سعادت علی خاں

قیمت : (15/-) روپے

ناشر : ادبی ٹرسٹ

ملنے کے پتے

- بک سیلس کاونٹر روزنامہ سیاست، جواہرلال نہرو روڈ۔ حیدرآباد
- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد ۲

انتساب

جناب عابد علی خاں صاحب
کی مقدس اور پیار بھری یادوں کے نام

پیش لفظ

ادبی ٹرسٹ کی مطبوعات کی بارھویں کتاب " ایوان شاد کا مشاعرہ " پیش خدمت ہے۔

پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر کے چار سو سالہ جشن کی تیاریوں کے سلسلہ میں مختلف اداروں کی جانب سے کئی تقاریب کا انعقاد عمل میں آیا تھا لیکن مہاراجہ سر کشن پرشاد کے تمثیلی مشاعرہ کو سب سے زیادہ نمایاں اہمیت اور مقبولیت حاصل ہوئی جسے ادارہ ادبیات اردو، ادبی ٹرسٹ اور فائن آرٹس اکیڈیمی نے مشترکہ طور پر پیش کیا تھا۔ یہ تمثیل پہلی دفعہ 12 جولائی 1991 ء کو رویندرا بھارتی تھیٹر میں اور دوسری مرتبہ 30 نومبر 1991 ء کو چارمینار پر پیش کی گئی۔

ریاستی حکومت نے خود جشن منانے کا اعلان کیا تھا لیکن سرکاری جشن بار بار ملتوی ہوتا رہا۔ 30 نومبر 1991 ء کو سرکاری جشن کے انعقاد کی قطعی تاریخ بھی ملتوی کر دی گئی تب 25 نومبر کو جناب عابد علی خاں صاحب نے اعلان کیا کہ عوام کی جانب سے 30 نومبر کو چارمینار پر جشن منایا جائے گا چنانچہ 30 نومبر کو چارمینار پر ایوان شاد کے ایک مشاعرہ کی تمثیل پیش ہوئی۔ چار سو سال کے دوران چارمینار پر منعقد ہونے والی یہ پہلی عوامی تقریب تھی جس میں بیس ہزار سے زائد اشخاص نے شرکت کی۔ اختتام پر جناب عابد علی خاں نے اعلان کیا کہ عوام نے اپنے شہر کا جشن منا لیا۔

حیدرآباد کی شہرت صرف اس لئے نہیں ہے کہ یہ چار سو سال سے قائم ہے۔ اس کی شہرت اور مقبولیت کا راز دراصل وہ تہذیب ہے جسے مختلف زبانوں کے بولنے والوں، مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور مختلف رسوم و رواج کی پابندی کرنے والوں نے اپنے میل ملاپ، باہمی خلوص و یگانگت کے ذریعہ جنم دیا تھا۔ اسی چار سو سالہ عوامی تہذیب کا عوام نے بھی جشن منایا تھا۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد سلطنت آصفیہ کے وزیر اعظم تھے۔ شعر و ادب کے اعلیٰ ذوق، شعر گوئی کی بے پناہ صلاحیت اور باکمال ہنرمندوں کی قدردانی کے سبب ان کے دربار میں لکھنو، دہلی اور دکن کے بلند پایہ شاعر جمع رہتے تھے۔ ایوان شاد کے مشاعرے باوضع، بارونق، روایتی آداب اور اخلاق کے مظہر ہوا کرتے تھے۔ ایوان شاد میں ایک باوقار ادبی تہذیب کی تشکیل ہوئی تھی۔

حیدرآباد کی عوامی تہذیب کے جشن کے موقع پر ایوان شاد کے مشاعرے کی پیشکش یقیناً موزوں اور بر محل تھی۔

اس مشاعرہ کے تمثیل نگار جناب غلام جیلانی صاحب بنیادی طور پر سائنس کے استاد رہے ہیں لیکن ڈرامہ نگاری اور افسانہ نویسی میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت اور جستجو سے اس تمثیلی مشاعرہ کا اسکرپٹ تیار کیا اور اس دور کی تہذیب اور آداب محفل کی اس طرح عکاسی کی کہ تمثیل نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

غلام جیلانی صاحب کا ایوان شاد کا مشاعرہ ماضی کی تہذیب کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھے گا۔

زاہد علی خاں
مینیجنگ ٹرسٹی، ادبی ٹرسٹ

یکم مارچ ۱۹۹۴ء

تمثیلی مشاعرہ ایوان شاد کی کہانی

وہ مارچ ۱۹۹۰ء کی ایک صبح تھی۔ حسب معمول بستر پر لیٹا "سیاست" کے صفحوں پر نظر۔ ڈال رہا تھا۔ ایک جگہ ادارہ ادبیات اردو کی مشاورتی کمیٹی کی ایک میٹنگ کی روئداد پر آکر نظریں رک گئیں۔ (۴۰۰) چارسو سالہ جشن حیدرآباد کے سلسلے میں مجھے ایک تمثیلی مشاعرے کا کنوینر بنایا گیا تھا۔۔۔۔۔۔ تھوڑی سی تفصیل جو دی گئی تھی، یوں تھی کہ۔۔۔۔۔۔
مشاعرہ مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد کے عہد کا ہوگا، جو وہ اپنی ڈیوڑھی میں منعقد کیا کرتے تھے۔ اور اس میں ان نامور شعراء کو پیش کیا جائے گا جو ان مشاعروں میں اکثر آتے تھے۔ اس طرح آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کے حیدرآباد کے علمی، ادبی اور تہذیبی ماحول کو پیش کرنا تھا۔ اور اردو کی سرپرستی اور شعراء اور ادیبوں کی قدرومنزلت کی عکاسی کرنی تھی جو بادشاہ اور امراء کے درباروں سے انھیں نصیب ہوتی تھی۔ میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ یہ تمثیلی مشاعرہ اس سال یوم قلی قطب شاہ کے موقع پر گنبدان شاہی میں پیش کیا جائے۔

اس مشاعرے کو ڈرامائی روپ میں لکھنے کا کام بھی میرے تفویض کیا گیا تھا۔ مجھے یاد ہے، یہ سب پڑھتے ہوئے اخبار میرے ہاتھوں میں جہاں کا تہاں رہ گیا۔ ہول کی لہر سی جسم میں تیر گئی۔ ایسا وسیع پراجکٹ کیسے انجام دے سکوں گا!

اپنے اردگرد بکھری ہوئی زندگی کے موضوعات پر ڈرامے لکھ لینا الگ بات ہے کسی عہد کا تمثیلی مشاعرہ تحریر کرنا بالکل جدا چیز ہے۔

اور پھر اس عہد کو ایسا کوئی بہت زیادہ وقت بھی نہیں گزرا ہے! جن شاعروں کو پیش کرنا ہے، ان کے مخصوص لب و لہجے، حرکات و سکنات اور عادتوں کے ساتھ۔ ان کے لڑکے، پوتے اور نواسے نواسیاں وغیرہ ہال میں کرسیوں پر اگلی صف میں بیٹھے ہوں گے۔ ذرا سی بھول چوک ہوئی، اور گردن پکڑی گئی!۔۔۔ نا بابا۔۔۔ پل صراط پر سے گزرنا کون پسند کرے گا۔

فوراً مغنی تبسم کو فون کیا۔ "جناب میں تو اس میٹنگ میں شریک بھی نہیں تھا۔ اس تمثیلی مشاعرے کی تحریر اور پیش کش کے لیے میرا نام طے بھی ہو گیا؟ یہ سراسر زیادتی ہے۔"
بہت دھیمے لیکن فیصلہ کن لہجے میں جواب ملا۔۔ "یہ مشاعرے سے زیادہ ڈراما ہوگا اور اسے آپ ہی لکھ سکتے ہیں۔۔"

میں تصور کر سکتا تھا اس وقت مغنی دبے دبے انداز میں زیرلب مسکرا رہے

ہوں گے۔

"اس کام کے لیے مجھ سے کہیں زیادہ موزوں لوگ موجود ہیں۔"

"مگر یہ آپ ہی لکھیں گے۔"

"پھر بھی ہے۔ اس کے لیے پڑھنا بہت پڑے گا، ریسرچ کرنا پڑے گا! --- آپ نے وقت اتنا تھوڑا دیا ہے کہ ----- نہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔"

"جی نہیں۔ ہو گا --- آپ ہی انشاء کریں گے۔ کل میرے پاس آجائیے۔ فانی پر میرا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لے جائیے۔" مغنی نے اسی پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"فانی پر؟ آپ سمجھتے ہیں، ایک کتاب سے --- یہ کام -----؟"

"خفا مت ہوئیے۔ اور بھی کتابیں ہیں --- خود مہاراجہ پر ڈاکٹر حبیب ضیاء کی کتاب ہے اور نظم طباطبائی پر پروفیسر اشرف رفیع کی کتاب ہے ---- اور ----"

میں بیچ میں بول پڑا۔ "مطلب یہ کہ آپ کے ڈپارٹمنٹ کا سارا ریسرچ ورک پڑھ ڈالوں۔"

"نہیں، نہیں، یہ مطلب نہیں۔" جلدی سے بولے۔ "ریفرنس کے لیے کہہ رہا ہوں ----- ویسے کل آپ آئیے تو سہی۔"

اور دوسرے دن جب میں گیا، تو ان کے پاس حمایت بھی بیٹھے تھے۔ حمایت کو اسی لیے مغنی نے بلا لیا تھا۔ پتہ چلا کہ اس ڈرامے کی تحریر اور کنوینر شپ کی ساری ذمہ داری میرے سر منڈھنے کے خیال کی تخلیق ان ہی دونوں کے دماغ کی تھی! حمایت نے بھی ہر طرح کے تعاون کے وعدے کیے۔ حوصلہ افزائی کے لیے میری تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ مغنی نے پیٹھ تھپک کر کہا --- "چلئے۔ اب شروع ہو جائیے۔"

اور صاحب، ہم شروع ہو گئے۔ شہر کے سارے ریسرچ سنٹر اور لائبریریوں کی خاک چھانی۔ جہاں بھی کسی نے کسی کام کی کتاب کا ذکر کیا فوراً تلاش میں پہنچ گئے۔ مشیر دکن، صبح دکن، نظام گزٹ، جلوہ آصفی، دبدبہ آصفی ---- کے قدیم خاص و عام نمبر کھنگال ڈالے۔ مملکت آصفیہ کے گلمیس کی موٹی جلدیں دیکھ ڈالیں۔ مجلہ عثمانیہ کا مہاراجہ نمبر پڑھا۔ مغنی تبسم نے جن کتابوں کا ذکر کیا تھا، وہ سب مستعار لیں (اور واپس نہیں کیں، مغنی کی طرح۔ اس طرح ذاتی لائبریری پھلی بھی، اور پھولی بھی)۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر رشید موسوی کا مشورہ بہت کام آیا۔ مخطوطہ "یادگار ضخیم" میں بہت سے شاعروں کا حال، حلیہ اور کلام ملا۔ سالار جنگ لائبریری اور پھر ادارہ ادبیات اردو سے شعراء کی تصویریں جمع کیں۔ مشاعرے کے وقت ان کی عمروں کا حساب لگایا۔ اس کام میں

اور موزوں کلام کے انتخاب میں جناب وقار خلیل نے مدد کی۔

صمد صاحب نے اپنی لائبریری سے کوئی کتاب، رسالہ، یا کاغذ کا ایک پرزہ بھی باہر اپنے ساتھ لے جانے سے منع کر رکھا تھا۔ زیراکس بھی ممکن نہیں تھا۔ کئی بار جی میں آیا کہ کام کے صفحے کتابوں میں سے کاٹ لوں (بلیڈ اور چھوٹی قینچی ساتھ لے گیا تھا)،....

آس پاس، بلکہ دور تک کوئی نفس موجود نہیں تھا۔ مگر عین وقت پر ہمت جواب دے گئی (شرافت و رافت کا نام لے کر بچنا نہیں چاہتا) بار جھک مار کے وہیں بیٹھ بیٹھ کر کتابوں سے نقل کرنا پڑا۔

دن دن بھر اسکوٹر پر پھرتا۔ اور رات رات بھر دن کو لائی ہوئی چیزوں کو پڑھتا۔ اور اسے نچوڑ کر اس کے دو تین قطرے نکالتا۔ خیر پہلا تجربہ تو ہر ریسرچ اسکالر کو ہوتا ہے۔ مگر میرے ساتھ وقت کی شرط دم نکالے دے رہی تھی۔

ڈاکٹر غیاث صدیقی نے میری بہت مدد کی۔ عہد رفتہ کی تصویریں دیں۔ واقعات سنائے۔ نوادرات دکھلائے۔ اور ہر مرتبہ لذیذ کرمی پفس اور چائے سے تواضع کی۔ گویا دوبارہ آنے کی ترغیب بھی دی۔ سعید شہیدی صاحب کے یہاں جانے سے پہلے کئی روز خود کو تیار کرتا رہا۔ لوگوں نے ان کی تنک مزاجی سے ڈرا رکھا تھا۔ آخر ایک دن ہمت کرکے ان کے یہاں بھی پہنچ گیا۔ اور ان سے مل کر پتہ چلا کہ لوگ کتنے شرارتی ہوتے ہیں۔ سعید شہیدی تو بڑی شفقت سے ملے۔ اور کئی بار ملے۔ بہت سی باتیں سنائیں۔ نہایت کھرے اور صاف انداز میں اچھے اور برے شاعروں کو الگ الگ قطاروں میں کھڑا کر دیا۔ ان کی اضطراری حرکتوں اور عادتوں کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح علی احمد جلیلی صاحب سے بھی مل کر جی خوش ہوا۔ کئی کام کی باتیں بتاتے ہوئے ہمت افزائی بھی کی۔

اسکرپٹ تیار ہو گیا۔ فوٹو کاپی کروا کے ایک ایک کاپی ادارے کی کمیٹی کے ہر ممبر کو دی کہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ اور مشورے بھی دیں۔ لیکن سب نے پسندیدگی کا ہی اظہار کیا۔ کوئی کمی یا خامی نہیں بتائی۔ میں سوچنے لگا ان حضرات نے پورا اسکرپٹ پڑھا بھی ہے یا نہیں!.. لیکن جب مغنی صاحب نے دو ایک شاعروں کی غزلوں کے انتخاب پر نظر ثانی کا مشورہ دیا، اور جناب عابد علی خاں صاحب نے حضرت باغ کو مشاعرے میں شامل نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو......
اتنا تو یقین ہو گیا کہ ان حضرات نے اسکرپٹ ضرور پڑھا ہے۔ اور پسند بھی کیا ہے۔

زینت آپا اور ڈاکٹر رشید موسوی نے بھی جب تعریفوں کے ساتھ اپنی پسند کا اظہار کیا تو اعتماد پیدا ہو گیا۔ زینت آپا نے دو ایک جگہ بڑے اچھے مشورے بھی دیئے۔

بہر حال اب اسکرپٹ تیار تھا اور دیئے ہوئے وقت سے پہلے ہی تھا۔ بس اب پیش

کرنے کی باری تھی۔

مگر پیش کرنا ہی دراصل بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنا تھا۔ سب سے پہلے تو یہ ہوا کہ فائن آرٹس اکیڈیمی کے کئی آرٹسٹ، حمایت اللہ سمیت کویت چلے گئے۔ وہاں حیدرآباد کا چارسو سالہ جشن منعقد ہو رہا تھا۔ عابد علی خاں صاحب کی صدارت میں۔ لہٰذا یوم قلی قطب شاہ کے موقع پر مشاعرے کو پیش کرنا مشکل تھا۔ ملتوی ہوگیا۔ اور ایسا ہوا کہ کئی مہینے گذر گئے۔ سب اس کو بھول بھال بھی گئے۔ میں نے پھر ایک بار ادارہ ادبیات کی نشست میں اس کی یاد تازہ کی اور تجویز رکھی کہ اب اسے نومبر میں پیش کیا جائے، رویندرا بھارتی تھیٹر میں۔ تجویز منظور ہوگئی۔ ادارہ ادبیات اور ادبی ٹرسٹ نے ملکر اس کے لیے مالئے کی ضمانت دے دی۔ رویندرا بھارتی تھیٹر بک ہوگیا۔

اب آرٹسٹوں کو جمع کر کے تیاری شروع کرنی تھی۔ اکیڈیمی کے حق صاحب اور حبیب۔ خان صاحب اور سعادت علی خاں صاحب بھی پابندی سے ابتدائی میٹنگس میں شریک ہونے لگے۔ حمایت اور اسلم نے آرٹسٹوں کا انتخاب شروع کر دیا۔ کوئی دو درجن شاعروں کے علاوہ چوب داروں اور مصاحبوں کو ملا کر کل (۳۳) کرداروں کو اسٹیج پر لانا تھا۔ کئی آرٹسٹوں کے تلفظ اور لب و لہجے کو دیکھ کر دل بیٹھ بیٹھ جاتا تھا۔ مگر ریڈیو اسٹیشن کے تجربے کی بناء پر اسلم نے میری ہمت بندھائی۔

یکایک شہر کی فضاء فسادات سے آلودہ ہوگئی۔ گلیوں اور بازاروں سے لے کر انسانی چہروں تک خوف اور تناؤ کے بادل چھاگئے۔ لوگ بھوک میں عشق بھلادیتے ہیں تو بھلا جان کے خوف میں ڈراما کیا دیکھیں گے! رویندرا بھارتی کی بکنگ تین مہینے آگے بڑھادی۔

۹۰ء سے ۹۱ء میں لگ گئے۔ مگر شہر کے فسادات تو جیسے ہمارے مشاعرے کی تاریخ دیکھ کر شروع ہو رہے تھے۔ پھر وہی ہوا۔ فسادات کی نذر یہ تاریخ بھی ہوگئی اور اب کی بار رویندرا بھارتی نو فبروری کی بجائے پہلی جون کے لیے بک کر لیا گیا۔

مئی کے اوائل ہی سے فائن آرٹس اکاڈیمی کے دفتر میں مشاعرے کی تیاری پھر شروع ہوئی۔ اسکرپٹ کی تقسیم اور آرٹسٹوں کے انتخاب کا کام ہوا ہی تھا کہ ---- پھر رک گیا۔ پرانے شہر سے آنے والے آرٹسٹوں کی راہ میں رات کا کرفیو آنے لگا۔ الیکشن سے پہلے کی دھما کو فضا ہر طرف پھیلنے لگی۔ اس دفعہ محکمہ کلچرل افیرز کے ڈائرکٹر جناب رمناچاری نے شخصی دلچسپی لے کر رویندرا بھارتی کی بکنگ پہلی جون کی بجائے ۱۲/ جولائی کو کر دی، ڈپارٹمنٹ کی سرپرستی میں۔

اب نمائش میدان میں ایک جگہ حاصل کی گئی۔ اور اکاڈیمی کے دفتر کے بجائے سب

لوگ شام کو وہاں جمع ہونے لگے۔ ریہرسل نے ذرا ہاتھ پیر نکالے تھے کہ راجیو گاندھی کے قتل نے اوس ڈال دی۔ وقفہ پڑگیا۔ حمایت اپنے چند ضروری کاموں میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ اسلم نے بڑی جدوجہد کر کے اپنا روایتی لاابالی پن چھوڑا۔ اور پابندی سے ڈائرکشن کے لیے آتے رہے۔ ریہرسل پھر زور و شور سے شروع ہوگئی۔

پیش کش سے چند ہی دن پہلے یکایک اسلم کو اورنگ آباد جانا پڑگیا۔ لیکن دو ہی دن میں واپس بھی لوٹ آئے۔ اور ڈائرکشن میں جٹ گئے۔ ریہرسل کے پورے دوران حق صاحب اور حبیب صاحب نے بڑی ذمہ داری اور پابندی سے ہمارا ہاتھ بٹایا۔ عملی طور پر ریہرسل کی ریل گاڑی کو حرکت میں رکھنے میں ان کا بڑا حصہ رہا۔ حمایت نے انتظامات کی نگرانی سنبھال لی تھی۔

ادھر سارے آرٹسٹوں نے موسم کا خیال کیے بغیر بڑی مستعدی اور خلوص سے ساتھ دیا۔ طوفانی بارشیں بھی کسی کا جوش ٹھنڈا نہیں کر سکیں۔

جناب عابد علی خاں صاحب نے ہر مرحلے پر میری ہمت کو بلند رکھا اور شفیق سرپرست کی طرح مشورے دیتے رہے۔ ادھر ادارہ ادبیات اردو کے سکریٹری جناب رمن راج سکسینہ اور سراج الدین علی خاں صاحب نے پورے خلوص سے تعاون کیا۔ سراج صاحب اپنے دیرینہ تجربے اور فراست سے ہر عملی دشواری کو آسانی سے حل کر لینے میں مہارت رکھتے ہیں۔

مہاراجہ کی دیوڑھی میں مشاعرے کے دالان کے سٹ کا ڈیزائن حمایت اسلم اور سعادت علی خاں نے مکمل کیا۔ میک اپ کی نگرانی اور لباس کی فراہمی کا ذمہ حق صاحب، ماسٹر شفیع اور حبیب صاحب نے کیا۔

اور بالآخر ۱۲/ جولائی ۹۱ء کو یہ تمثیل رویندرا بھارتی میں پیش ہوئی اور ایسے کہ اس کی کامیابی اور مقبولیت کے نقش ابھی قائم ہیں۔ حالانکہ اس دن اسٹیج کئی گھنٹے دیر سے ملا۔ جس پر ہمیں سیٹ لگانا تھا۔ ادھر سیٹ کا سامان لانے والی وین راستے کے جلوسوں میں پھنس کر دیر سے پہنچی۔ میک اپ کی ٹیم بھی وقت پر نہیں آئی۔ افراتفری میں میک اپ کے لیے لائی ہوئی خود مہاراجہ کشن پرشاد کی تصویر کہیں گم ہوگئی! .... گھر سے ڈوپلی کیٹ منگوانی پڑی۔ ایک بھی ڈریس ریہرسل کا موقعہ نہیں ملا۔

پردہ ایک گھنٹہ دیر سے اٹھا۔ اور جب اٹھا تو رویندرا بھارتی کا ہال اوپر سے نیچے تک کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ لوگ جہاں بن پڑا کھڑے ہوگئے تھے۔ پتہ نہیں کتنے واپس لوٹ گئے تھے۔

اور پھر تقریباً ڈھائی گھنٹے تک یہ تمثیلی مشاعرہ ایسی غیر معمولی کامیابی کے ساتھ پیش ہوا

کہ لوگ مسحور ہوگئے۔ ایک سماں بندھ گیا۔ کئی لوگوں پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ ایسا اثر کس نے سوچا ہوگا! جیسے ایک خواب دیکھ کر چونکے ہوں، حمایت کی آواز پر جو شکریہ ادا کررہے تھے۔

میں اور اسلم بغل گیر ہوگئے۔ جوشِ انبساط سے جسم کانپ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے اسلم کے لب ہلے۔ " بھیا۔ مبارک ہو۔۔۔۔ ہم سب کو۔"، اور میں جواب میں کچھ نہ کہہ سکا۔ شائد ہونٹ ہلے ضرور تھے۔

اور پھر عرصے تک اخباروں میں اس کا تذکرہ چلتا رہا۔ مضامین اور ریویو آتے رہے۔ تقریباً سب ہی تعریفوں سے پر ہوتے تھے۔ اکا دکا کوتاہیوں کا بھی ذکر ہوا اور انھیں آئندہ دور کرنے کے لیے مشورہ بھی دئیے گئے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ حیدر آباد کی تاریخ میں کسی اسٹیج شو کی ایسی تحسین و توصیف صحافت نے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔۔ اور نہ اتنے لمبے عرصے تک۔

ابھی اس کی بازگشت پوری طرح ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ نومبر کے اواخر میں یکایک اس کی دوبارہ پیشکش کا ایک اور ڈراما کھڑا ہوگیا اور اس کے خالق تھے جناب عابد علی خاں صاحب۔

نومبر کی بائیس تاریخ تھی۔ میں ناشتے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب ممدوح کا فون آیا۔۔ " تمثیلی مشاعرے کو پھر پیش کرنا ہے، تیس نومبر کو۔"

میں بوکھلا گیا۔ تیس نومبر کو؟!۔۔۔۔ اس میں تو مشکل سے ایک ہفتہ بھی نہیں ہے! کیسے ہوگا۔

" کیسے نہیں ہوگا؟ بالکل ہوگا۔ اور اس مرتبہ رویندرا بھارتی میں نہیں، چار مینار کے نیچے، سڑک پر۔"

میں سوچنے لگا شائد صاحب موصوف کا موڈ اس وقت خراب ہے۔ کسی پر سخت برہم ہیں یا کیا۔۔ اسی لیے ایسی باتیں کررہے ہیں۔ لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہنے لگے۔۔

۔۔ " میں نے حمایت کو اطلاع کردی ہے۔ اسلم شہر میں نہیں ہیں کل آجائیں گے۔ لیکن مشاعرے کو بہر حال پیش کرنا ہے۔"

میں ناشتہ واشتہ چھوڑ سیدھا "سیاست" کے دفتر دوڑا۔ لیکن وہاں ان کا ہمیشہ کی طرح مسکراتا چہرا دیکھ کر اور نروس ہوگیا۔ وہ تو بالکل سیریس تھے، مشاعرے کے تعلق سے! مطلب یہ کہ اسے پیش کرنا ہی ہے! اور وہ بھی پرانے شہر کی سڑکوں پر،۔۔۔۔ چار مینار کے نیچے!

کچھ لوگوں کی شخصیت ایسی مقناطیسی ہوتی ہے کہ لاکھ دل میں ٹھان کر جائیے، ان کے سامنے بے بس ہوکر ہتھیار ڈال دینے پڑتے ہیں۔ ان کی کسی بات کی مخالفت کرنا ناممکن ہوجاتا

ہے، چاہے وہ بات بس کے باہر ہی کیوں نہ ہو!۔۔ عابد علی خاں صاحب ان میں سے ایک ہیں۔

دوسرے ہی دن حمایت نے سارے آرٹسٹوں کو جمع کرلیا۔ تیسرے دن سے اسی نمائش گراونڈ میں ریہرسل شروع ہوگئی۔ اسلم بھی واپس آگئے۔ سارے آرٹسٹوں کے لیے رات کو ڈنر کا انتظام کر دیا گیا تاکہ ریہرسل دیر تک جاری رہے۔ اسلم ڈائرکشن میں اور حمایت دوسرے سارے انتظامات میں شب و روز مصروف ہوگئے۔

تیس نومبر کو چار مینار کے پائیں میں اسٹیج تیار کیا گیا۔ شام ہی سے راستوں پر ٹریفک رکواکر سڑک پر دور تک دو رویہ کرسیوں کا انتظام کر دیا گیا۔ اور جیسے ہی سورج غروب ہوا، چاروں طرف سے فلڈ لائٹس نے چار مینار کو بقعہ نور بنا دیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا ایک سیلاب تھا کہ ہر طرف سے لہر در لہر آتا رہا۔ اور چار مینار کے دامن میں سماتا گیا۔ حد نظر تک، کرسیوں پر، سڑکوں اور فٹ پاتھ پر، گھروں اور دکانوں کی چھتوں پر، سروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

۔۔اپنی چار سو سالہ عمر میں چار مینار نے ایسا نظارا کاہے کو دیکھا ہو گا!

پندرہ سے بیس ہزار تک کے مجمع نے رات کو نو بجے سے بارہ بجے تک اپنے آبا و اجداد کے دنوں کی ستھری تہذیب اور ذوق سلیم کی ایک جھلک دیکھی .... مکمل خاموشی میں۔۔ خواتین تک بچوں کو گود میں لیے کھڑی رہیں۔ کہیں ایک آواز نہیں تھی!

اور جب نصف شب کے بعد لوگ بوجھل دلوں کے ساتھ گھروں کو لوٹنے لگے تو پہلی دسمبر کی سرد ہوا کے جھونکوں میں جیسے کوئی بہت ہولے ہولے گنگنا رہا تھا۔۔۔۔

"شہر باقی ہے، محبت کا نشاں باقی ہے۔۔" کون جانے یہ خود چار مینار کے دل کی آواز تھی، یا اطراف میں پھیلے پرانے شہر کی دیوڑھیوں اور حویلیوں کے در و دیوار کی دھڑکنیں تھیں!

عابد علی خاں صاحب نے جو چیلنج قبول کیا تھا، پورا کر دکھایا۔ تاریخی شہر حیدر آباد میں اپنی نوعیت کی اس پہلی ڈرامائی پیش کش کو یادگار بنا دیا۔ اور اس مہم کو کامیاب بنانے میں پرانے شہر کی قلی قطب شاہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے ڈائرکٹر رمنا چاری صاحب کا بھرپور تعاون اور حمایت کی انتھک کوششیں شامل رہیں۔ ڈائرکٹر اسلم اور فائن آرٹس اکیڈیمی کے آرٹسٹوں نے پھر ایک بار اپنے روایتی جوش اور خلوص کا ثبوت دیا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا، دلی کا آخری یادگار مشاعرہ آج سے کوئی (۶۶) برس پہلے عثمانیہ کالج اورنگ آباد میں مولوی عبد الحق کی پرنسپلی کے دور میں پیش کیا گیا تھا۔ کالج کے اساتذہ نے اس میں حصہ لیا تھا۔ میرے والد جناب غلام ربانی (مرحوم) اس میں ملا صہبائی بنے تھے۔ یہی مشاعرہ ۱۹۴۴ء میں حیدر آباد کے سٹی کالج میں پیش کیا گیا۔ اس کی ہدایت

کاری کے علاوہ میں نے اس میں استاد ذوق کا رول بھی کیا تھا۔ ان دنوں میں وہاں
انٹر میڈیٹ کا طالب علم تھا۔
اور اب " عجیب اتفاق ہے "۔ لگ بھگ پینسٹھ برس پہلے کے حیدرآباد کے ایک تمثیلی
مشاعرے کی تحریر اور تیاری بھی میرے ہی حصے میں آئی۔ جناب عابد علی خاں صاحب کی
خواہش کی مطابق اور جناب زاہد علی خاں صاحب کی شخصی دلچسپی سے ادبی ٹرسٹ اسے کتابی شکل
دے رہا ہے۔ جناب زاہد علی خاں صاحب معتمد ادبی ٹرسٹ کے علاوہ میں جناب سید ہاشم علی
اختر صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے بہ حیثیت صدر ادبی ٹرسٹ کتاب کی اشاعت کی اجازت
مرحمت فرمائی۔

غلام جیلانی

۸/اپریل ۹۲ء

ایوانِ شاد کا ایک مشاعرہ

(تمثیل)

تحریر : غلام جیلانی

ہدایت : اسلم فرشوری
کنوینر : حمایت اللہ
سیٹ ڈیزائن : سعادت علی خاں
معاون کنوینر : محمد عبدالحق

فائن آرٹس اکیڈیمی حیدرآباد کے فن کاروں کی مدد سے
پیش کیا گیا

پیش کش اول : (رویندرا بھارتی، حیدرآباد۔ ۱۲/ جولائی 1991ء)

ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد۔ فائن آرٹس اکیڈیمی، حیدرآباد
محکمہ تہذیبی امور، آندھراپردیش۔

پیش کش دوم : (چار مینار۔ ۳۰/ نومبر ۱۹۹۱ء)

ادبی ٹرسٹ، حیدرآباد۔ فائن آرٹس اکیڈیمی، حیدرآباد۔
ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ انٹاک (INTAC) ۔
قلی قطب شاہ ڈیولپمنٹ اتھاریٹی، حیدرآباد۔

مشاعرے میں حصہ لیتے وقت شاعروں کی تقریبی عمریں درج ذیل ہیں۔ شاعروں کی وضع قطع ان کے لباس اور خدوخال کے لیے "مرقع سخن" جلد اول و دوم میں دی ہوئی تصویروں کے علاوہ راجہ نرسنگ راج عالی کی "بزم شاد" اور "یادگار حضرت شاد" سے مدد لی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر غیاث صدیقی کی مرحمت کردہ تصویروں (بشمول ایک گروپ فوٹو) اور جناب اختر حسن صاحب کی زبانی حاصل کردہ معلومات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحئی کی تصنیف "مملکت آصفیہ (جلد اول)" اور "ھما" اردو نمبر مطبوعہ ۱۹۷۳ء سے بھی مدد لی گئی ہے۔

		عمر تقریباً
۱۔	نظم طباطبائی	(۷۷) سال
۲۔	تراب یار جنگ سعید	(۴۸) سال
۳۔	عزیز یار جنگ عزیز	(۶۰) سال
۴۔	ضامن کنتوری	(۶۰) سال
۵۔	فانی بدایونی	(۵۴) سال
۶۔	جوش ملیح آبادی	(۳۶) سال
۷۔	ماہر القادری	(۲۵) سال
۸۔	محمد حسین آزاد	(۴۵) سال
۹۔	عابد مرزا بیگم	(۶۵) سال
۱۰۔	غلام مصطفی رسا	(۵۰) سال
۱۱۔	جگر مرادآبادی	(۴۴) سال
۱۲۔	کیفی حیدرآبادی	(۵۴) سال
۱۳۔	حیرت بدایونی	(۴۰) سال
۱۴۔	نرسنگ راج عالی	(۳۸) سال
۱۵۔	یگانہ چنگیزی	(۵۰) سال
۱۶۔	امجد حیدرآبادی	(۴۵) سال
۱۷۔	ترک علی شاہ ترکی	(۶۰) سال

۱۸۔ فصاحت جنگ جلیل (۶۸) سال

۱۹۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد (۶۸) سال

***

کردار	فن کار
۱۔ مہاراجہ کشن پرشاد	محمد شفیع
۲۔ تراب یار جنگ سعید	محمد عبدالحق
۳۔ غلام مصطفی رسا	محمد حبیب احمد خاں
۴۔ جوش ملیح آبادی	عمر علی خاں
۵۔ عابد مرزا بیگم	میر حسین علی
۶۔ عزیز یار جنگ عزیز	سید خواجہ معین الدین
۷۔ فانی بدایونی	سوز عابدی
۸۔ کیفی حیدرآبادی	سید علی خوند میری
۹۔ نظم طباطبائی	احسن حیدر
۱۰۔ راجہ نرسنگ راج عالی	تاتار خاں
۱۱۔ حیرت بدایونی	محمد عبدالمنعم
۱۲۔ فصاحت جنگ جلیل	محمد ساجد
۱۳۔ ضامن کنتوری	سورج کرن
۱۴۔ ترک علی شاہ ترکی	سید نصرت حسین
۱۵۔ جگر مرادآبادی	محمد ناظم الدین جاوید

۱۶۔	یگانہ چنگیزی	معین خاں
۱۷۔	امجد حیدرآبادی	سید عرفان
۱۸۔	محمد حسین آزاد	احمد پاشا قریشی
۱۹۔	ماہر القادری	اکبر علی
۲۰۔	محوی	عظیم اقبال
۲۱۔	ناظم	طارق زبیری
۲۲۔	ناداں	سید مہدی علی
۲۳۔	وحید	محمد نعمت اللہ خاں
۲۴۔	امرائے سلطنت :۔	خان اطہر
		رکن الدین
		معراج الدین
		عبید صدیقی
		سید عارف حسین
۲۵۔	چوب دار	انور خاں
		اکبر
		نیر اعظم

اور دوسرے
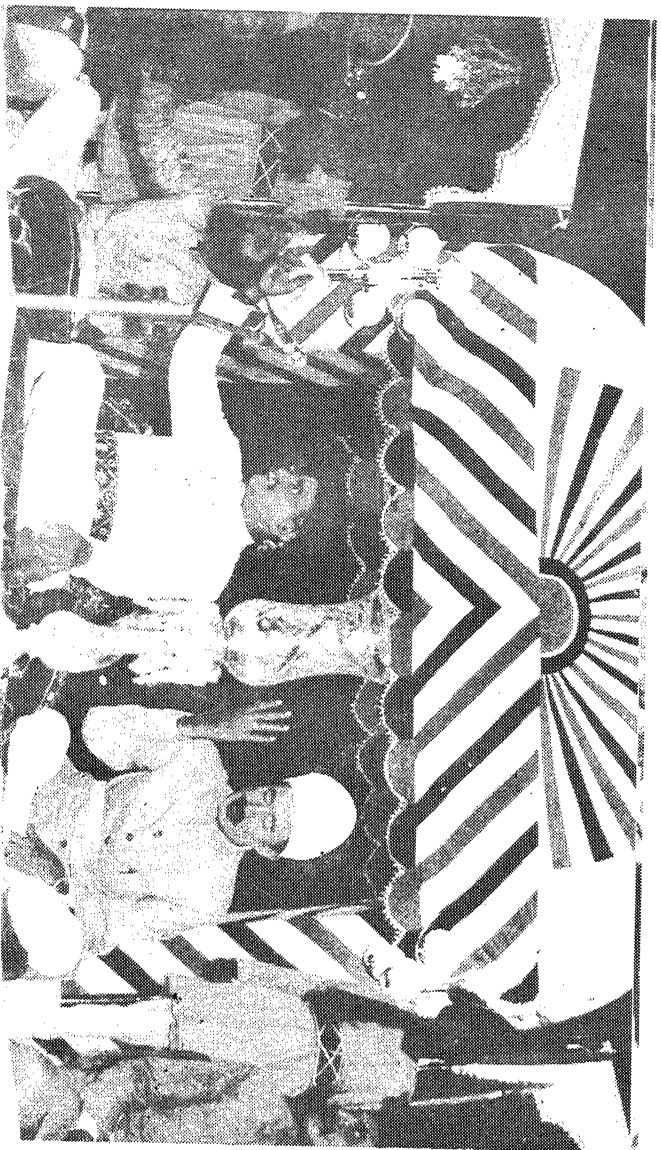
(دائیں طرف سے): راجہ نرسنگ راج عالی، نواب تراب یار جنگ سعید، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، جناب فصاحت جنگ جلیل اور نواب عزیز یار جنگ عزیز۔

رویندر ابھارتی میں تمثیلی مشاعرے کی پیش کش۔ ایک منظر
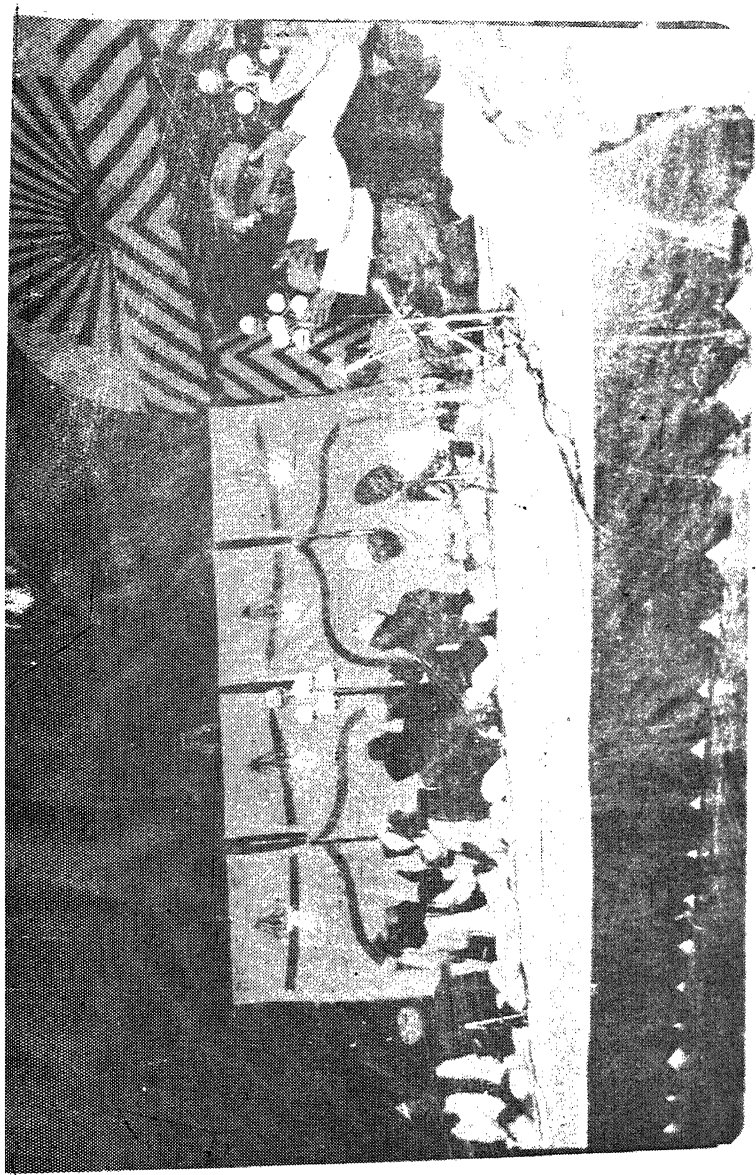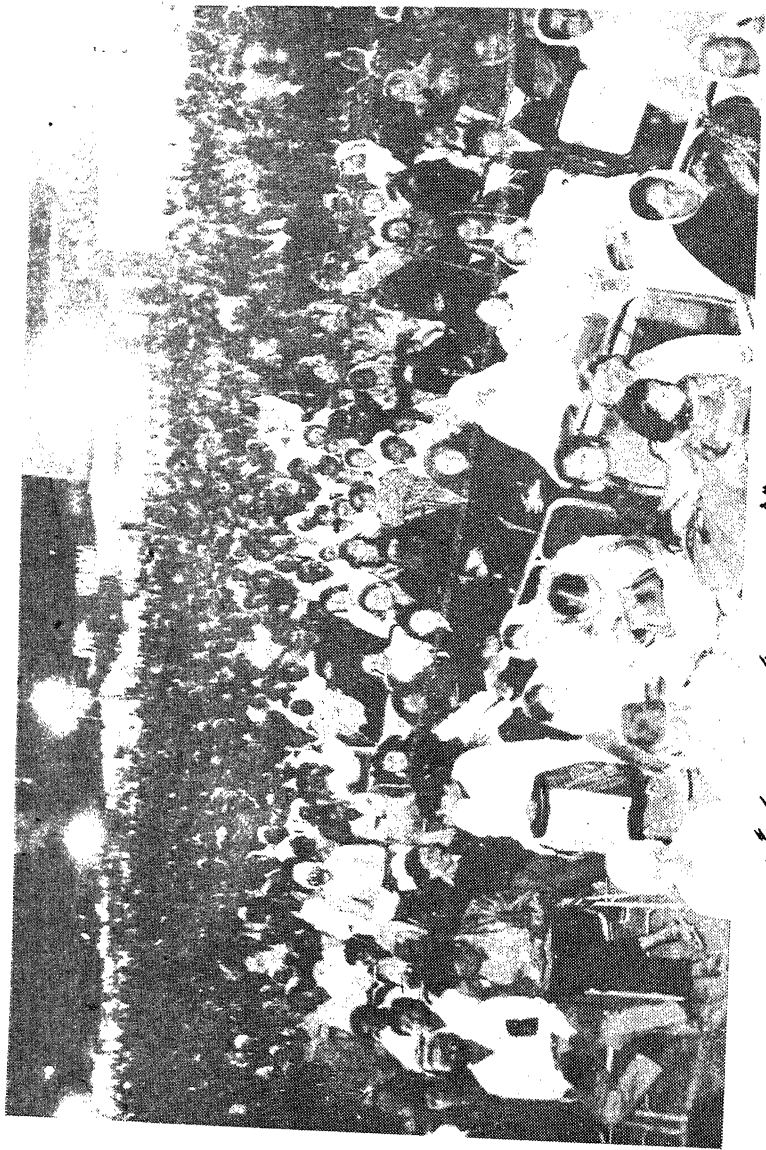
چارمینار کے دامن میں تمثیلی مشاعرے کی پیشکش۔ سامعین کا ایک گوشہ۔
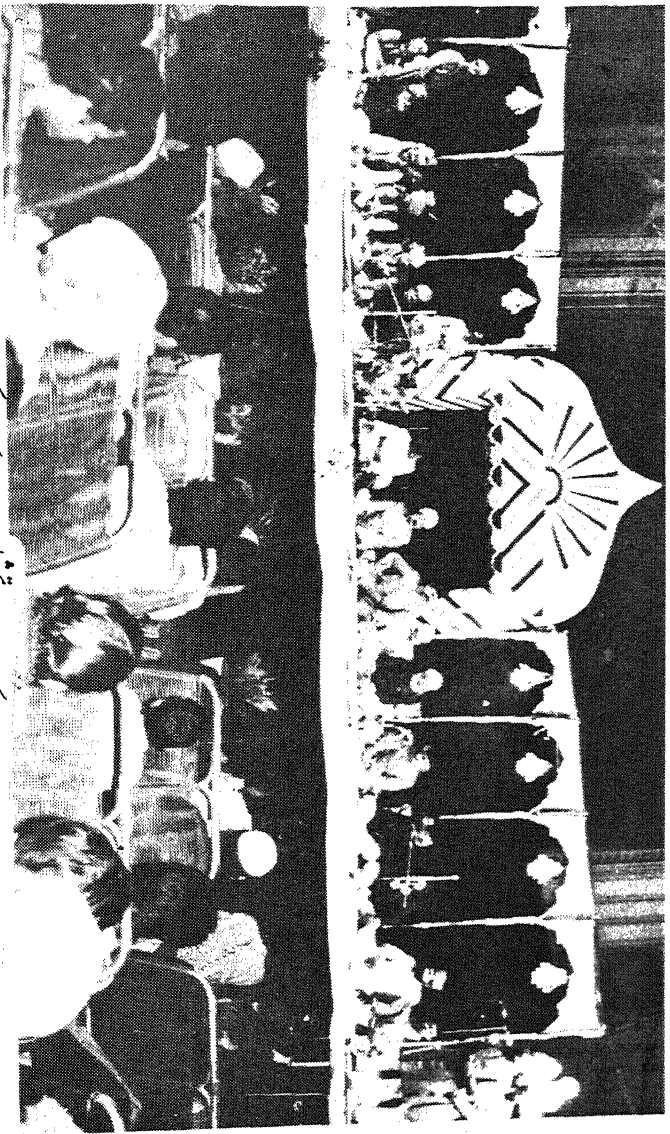
چارمینار کے دامن میں تمثیلی مشاعرے کی پیش کش:

(دائیں طرف سے): ماہر القادری ماہر حیرت بدایونی، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، فانی بدایونی، نظم طباطبائی، نرسنگ راج عالی، تراب یار جنگ سعید، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، فصاحت جنگ جلیل، عزیز یار جنگ عزیز، غلام مصطفے رسا، کیفی حیدرآبادی ترک علی شاہ ترکی، ضامن کنتوری، عابد مرزا بیگم۔

13

ایوان شاد کا ایک مشاعرہ
(تمثیل)

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

لیکن وقت کا یہ سیل رواں تھمتا کہاں ہے۔ گردش ایام ماہ وسال کی گردش بن جاتی ہے اور ماہ وسال صدیاں۔ اور یہ صدیاں وقت کے بہتے ہوئے دریا میں کنارے پر کھڑے درختوں کے پتوں کی طرح گرتی جاتی ہیں۔ بہتی جاتی ہیں۔

لیکن آج ہم کچھ دیر کے لئے گردش ایام کو روکے بغیر، پیچھے کی طرف لوٹائیں گے ... کوئی چھپن ستاون سال پیچھے۔

اس شہر نگاراں حیدرآباد نے بڑے زرین اور کروفر کے دور دیکھے ہیں۔ یہاں کی علم وادب اور شعر وسخن کی محفلیں بھی اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ دانشوروں اور سخن وروں کی سرپرستی اور قدردانی کی داستانوں کی گونج یہاں کے گلی کوچوں میں ابھی زندہ ہے۔

قطب شاہی اور پھر آصف جاہی حکمرانوں نے دل کھول کر اہل فن کو سراہا، ان کی توقیر میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان کے امراء اور سربراہان مملکت نے ان روائتوں کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ بام عروج پر پہنچا دیا۔ اکثر وبیشتر شاہان سلطنت خود پائے کے سخن ور گزرے ہیں۔ چار سو برس پہلے، محمد قلی قطب شاہ معانی اردو کا پہلا صاحب دیوان بادشاہ تھا، تو میر عثمان علی خاں عثمان، آصف جاہی ریاست حیدرآباد کے آخری تاجدار، کا کلام بالا مقام بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

یمین السلطنت، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد ہندوستان میں مغلیہ تہذیب کی آخری نشانی تھے۔ حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں امور سلطنت میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بعد کو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کے عہد میں

مدارالمہام یعنی وزیراعظم کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز رہے۔

مہاراجہ بہادر صوفی منش انسان تھے۔ مگر انتظامی امور کے نباض بھی تھے۔ طبیعت موزوں اور باذوق پائی تھی اور تمام مصروفیتوں کے باوجود اس ذوق کی تشفی کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ وہ بیک وقت شاعر بھی تھے، ادیب بھی۔ امیر بھی تھے اور فقیر بھی۔۔ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

ایک آواز۔۔ میں ہوں ہندو، میں ہوں مسلماں - ہر مذہب ہے میرا ایماں

دوسری آواز۔۔ شاد کا مذہب شاد ہی جانے - آزادی آزاد ہی جانے

راوی (خاتون):۔ مہاراجہ کا دربار اہل کمال کا مرجع بن گیا تھا۔ ہر فن کے ہنر مند ان کی داد و دہش سے فیض یاب ہوتے تھے۔ بلند پایہ شاعر اور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ مہاراجہ کشن پرشاد کے اعلیٰ اخلاق، طبیعت کی سادگی اور خلوص نے ہر باکمال شاعر اور ادیب کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

ایک آواز۔۔ اقبال جیسی ہستی نے خط و کتابت میں ہمیشہ ان کو بڑے احترام سے مخاطب کیا ہے۔

راوی۔۔ ہر طرح کی سرپرستی اور قدردانی کی وجہ سے ملک بھر میں پائے کے شعراء مہاراجہ بہادر کے دربار میں جمع رہتے تھے۔ دلی اور لکھنو کے دبستانوں کے جوہر فروزاں حیدرآباد میں علم و ادب کے کاخ و ایوان کی روشنیوں میں اضافہ کر رہے تھے۔

راوی (خاتون): مہاراجہ کی دیوڑھی میں شعر و ادب کی محفلوں کی پرشکوہ آماجگاہ۔۔ ایوان شاد۔۔ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ آج اسی "ایوان شاد" کے ایک مشاعرے کی تمثیل آپ کے سامنے پیش ہے۔ ابھی کچھ دیر میں آپ جن شاعروں کو دیکھنے اور سننے والے ہیں وہ سب اکثر مہاراجہ کے مشاعروں میں اکثر شریک رہا کرتے تھے۔۔ تصور کی آنکھ نے انہیں آج یکجا کر دیا ہے۔

(چند لمحے کا وقفہ جس میں ہلکی موسیقی کے صوتی اثرات ابھرتے ہیں)۔

راوی:۔ سنہ 1933 ـ 34ء کا زمانہ ہے۔ شعر کہنے کے ساتھ ساتھ شعر سمجھنے کا ذوق بھی عام ہو چلا ہے۔ مہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھی کے باوقار مشاعروں میں سامع کی حیثیت سے بھی شرکت کا موقع صرف خوش نصیبوں کو ملتا ہے۔ شام ہی سے اہل ذوق ایوان شاد میں جمع ہو جاتے ہیں اور حسب مراتب اپنی نشستیں سنبھال

لیتے ہیں۔آداب مشاعرہ اور مہاراجہ کی وضعداری طبیعت کا ہر شخص کو لحاظ ہے۔

(اسٹیج پر پردہ اٹھتا ہے ۔ ڈیوڑھی کے پیش دالان میں، خوش ذوقی کے ساتھ فرش کیا ہوا ہے ۔ جگہ جگہ گاؤ تکیوں کے پیچھے پیک دان رکھے ہوئے ہیں۔ چوب دار گلاب پاش سے عرق گلاب چھڑکتے ہیں۔ وسط میں، اندرونی جانب، صدر مشاعرہ کے لئے مسند آراستہ ہے ۔ سامنے ایک شمع دان ہے ۔ مسند کے دونوں جانب اور مقابل میں، خاصی جگہ چھوڑ کر کوئی دس بارہ سامعین آئے بیٹھے ہیں۔ یہ خود بھی شاعر ہیں۔ ان میں اوروں کے علاوہ، ناداں، کیفی، محوی اور وحید وغیرہ بھی ہیں ۔ ان کے لباسوں میں تنوع ہے مگر اپنے عہد کے حیدرآبادی اور شمالی ہند کے معززین کی پوشاکوں کی نمائندگی کرتے ہیں)

(سامعین میں خوش گپیاں چل رہی ہیں)

ایک صاحب: کیوں جناب، آپ دلی سے تشریف لائے ہیں؟

دوسرے صاحب: (جو برابر بیٹھے ہیں) جی ہاں۔آیا تو ہوں تلاش معاش میں، لیکن ساتھ ہی مہاراجہ بہادر کے مشاعروں کی کشش بھی حیدرآباد کھینچ لائی ہے۔ بڑی شہرت سنی ہے ان کی۔۔

(رک کر) سنا ہے اہل سخن کی قدر جیسی اس دربار میں ہوتی ہے، کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

پہلے صاحب: آپ نے جو کچھ سنا ہے درست ہے۔جگر تھام کر بیٹھیے ...... آسمان سخن کے اتنے سارے جگمگاتے ستاروں کی آب و تاب کہیں نظروں کو خیرہ نہ کر دے۔

تیسرے صاحب تو آپ شاعر ہیں۔

دوسرے صاحب (جھجکتے ہوئے) ہوں تو سہی، مگر ایوان شاد کی رفعتوں کے قصے سن کر اپنے آپ کو حقیر و صغیر محسوس کرتا ہوں۔شاعر کہتے ڈر لگتا ہے۔

چوتھے صاحب ہے بزم شاد یہاں جمع ہیں سب اہل کمال
تو عالی ہیچ مداں آج کس حساب میں ہے

پہلے صاحب:۔ واللہ تسکین ذوق کے لئے دل بے چین ہوا جارہا ہے ۔ انتظار کی گھڑیاں من من بھر کر ہوئی جارہی ہیں۔

(دائیں جانب سے جناب ناظم آتے ہیں)

ناظم:۔ سلام عرض کرتا ہوں

ناداں:۔ آیئے بھائی ناظم۔ مگر یہ کیا حال بنا رکھا ہے ؟

کہاں سے صبح کو آتا ہے روز اے مہہ وش
اڑا ہوا ترے چہرے کا نور ہوتا ہے

ناظم:۔ بہت خوب ناداں۔ مگر کبھی اپنی طرف بھی دیکھا ہے ؟! اچھی بھلی صورت تھی اور اب۔۔ (قہقہہ)

جبیں پر ہے شکن ، آبرو پہ بل ، آنکھوں میں غصہ ہے
بنا ہے کیا برا نقشہ تمہاری اچھی صورت کا ۔ ! "

(قہقہہ)

ناداں:۔ واللہ جی خوش کر دیا ناظم صاحب ..... داغ کا رنگ جھلک رہا ہے اس شعر میں تو۔

ناظم:۔ مرزا ناداں، حوصلہ افزائی کا شکریہ ..... (رک کر) ورنہ میں ٹھیرا دکھنی آدمی۔ شعر کہنا کیا جانوں۔

کیفی:۔ یہ کیا کہتے ہیں جناب ناظم صاحب۔ یہ صلاحیت تو قدرت کا عطیہ ہے۔ دکھنی اور دہلوی کی بات کہاں سے آن ٹپکی! ..... " دین اللہ کی ہے رنگ ہے اپنا اپنا "۔

پہلے صاحب:۔ خوب بہت خوب کیفی صاحب۔ مشاعرے کی فضاء تو ابھی سے مہکتی جا رہی ہے۔

ناداں:۔ ایک مصرعے پر ہی مت ٹالیے کیفی صاحب۔ کوئی شعر ہو جائے۔

کیفی:۔ (ہلکے ترنم سے) ....

" دیار الفت کے رہنے والوں کا حال کیا پوچھتے ہو ہم سے
کسی کو خانہ بدوش دیکھا ، کسی کو خانہ خراب پایا ۔ "

(سبحان اللہ، واہ واہ کی آوازیں)

پہلے صاحب:۔ کیا نقشہ کھینچا ہے جناب کیفی نے دیار الفت کے مکینوں کا ..... جواب نہیں۔

ناداں:۔ اور وہ شعر بھی ہو جائے .... (سوچنے کی کوشش کرتے ہوئے) ... وہی .... ہاں یاد آیا۔ "جگہ چھوڑ چھوڑ کر" والا۔

کیفی:۔ جیسے کہ سونے والا ہے کوئی ہمارے ساتھ
بستر پہ سو رہے ہیں جگہ چھوڑ چھوڑ کر

(آہاہا .... واہ واہ .... کی آوازیں)

ناظم:۔ (تڑپ کر) کیا بات ہے "جگہ چھوڑ چھوڑ کر"...... ہائے۔

(اسٹیج کی دائیں جانب سے جناب بیگم اپنے مخصوص لباس اور انداز میں نمودار ہوتے ہیں، یہ کہتے ہوئے)

بیگم:۔ تسلیم۔ بیگم حاضر ہے۔ آداب عرض کرتی ہے۔ کورنش بجالاتی ہے...... بندگی......

ناظم:۔ یہ کونسی ادا ہے بیگم؟۔ اتنے بہت سے سلاموں سے بیگانگی ٹپکتی ہے۔

بیگم:۔ بیگم کو ناراضگی منظور نہیں۔ یہاں داغیئے بھی بیٹھے ہیں اور امیریئے بھی۔ دکھنی بھی ہیں۔ اور ہندوستانی بھی۔ سب ہی کو ملا کر سلام کرنا مقصود تھا نا؟

(اس دوران میں بیگم بیٹھ کر پاندان سنبھالتے ہیں)

ناداں: اچھا تو لائیے بیگم حضرت...... آپ کے ہاتھ کا پان کھائے یگ بیت گئے۔

بیگم:۔ (شمالی ہند کے لہجے میں)۔ ائے اور لو.... صاحب عالم، آپ ٹھیرے دلی والے.... حیدرآبادی پان کیا خاک پسند آئے گا۔

ناظم:۔ دلی والے نہیں...... ہندوستانی کہو۔

چوتھے صاحب:۔ فانی دکن میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

تیسرے صاحب:۔ یہ کیا دلی اور ہندوستان کا جھگڑا لے بیٹھے حضرات..... اب بس بھی کیجئے۔

پہلے صاحب:۔ خفا کیوں ہوتے ہو بھائی..... انہیں چشمکوں سے تو زبان و ادب کی آب یاری ہوتی ہے۔

(موسیقی کے صوتی اثر۔۔ راوی کی آواز گونجتی ہے)

راوی:۔ لیجئے.... انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں.... شعراء کرام تشریف لا رہے ہیں
.... (وقفہ) یہ ہیں جناب محمد حسین آزاد.... طنز و مزاح کے مقبول شاعر۔

(ایک خادم ہر شاعر کے ساتھ آتا ہے۔ مخصوص جگہ پر بٹھا کر واپس ہو جاتا ہے)

..... جناب ضامن کنتوری صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کا شمار اساتذہ سخن میں ہوتا ہے۔ فن پر کامل عبور رکھتے ہیں.....

(ضامن صاحب کی نشست مسند سے زیادہ دور نہیں ہے)

.... اور یہ ہیں جناب ماہر القادری۔ نو عمر، خوش وضع، خوش کلام اور ساتھ ہی خوش گلو بھی۔

۰۰۰۰۰۰ جناب سید احمد حسین امجد حیدرآبادی تشریف لا رہے ہیں۔ صوفی منش شاعر۔ رباعی مرغوب صنف ہے۔ شاعری میں تصوف کے دریا بہا دیتے ہیں۔

۰۰۰۰۰ اور یہ ہیں حضرت جوش ملیح آبادی، جناب فانی بدایونی کے ہمراہ۔
حضرت جوش نے اردو زبان کے الفاظ کو نئے معنی اور نئی جہتوں سے مالا مال کیا ہے۔ نئی بندشوں سے سجایا ہے۔ شعر پڑھنے کے جوشیلے انداز سے مشاعرے پر چھا جاتے ہیں۔
۰۰۰۰۰ فانی حزن ویاس کے مصور ہیں۔ دلی کیفیات کے ترجمان۔

۰۰۰۰۰ اور اب حضرت جگر مرادآبادی تشریف لا رہے ہیں۔ ہمراہ ہیں حضرت حیرت بدایونی۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ان دنوں جگر حیدرآباد میں ہیں اور مہاراجہ بہادر کی دعوت مشاعرہ قبول فرما کر تشریف لے آئے۔ جگر نے غزل کے پیکر کو کیفیات حسن و عشق سے رنگین بنایا اور اپنے مخصوص ترنم سے اس میں بلا کی کشش پیدا کی۔
۰۰۰۰۰ حیرت خوش باش انسان اور پر گو شاعر ہیں۔ پڑھنے کے خاص انداز سے محفل میں جان ڈال دیتے ہیں۔

جوش:۔ (مسکرا کر) حضرت جگر ۰۰۰۰۰ حیرت ہے، حضرت حیرت آپ کو کہاں مل گئے۔ ہم تو سارے میں ڈھونڈ آئے۔

فانی:۔ (ہلکے سے مسکرا کر) اتنے انجان بھی مت بنئے حضرت جوش۔ آپ ہی نے کہا تھا۔

جو مسجد میں پکارا مئے کدے سے یہ صدا آئی
یہاں ہیں حضرت علامہ حیرت بدایونی
(قہقہہ)

راوی ۰۰۰۰۰ اور اب تشریف لا رہے ہیں جناب غلام مصطفی رسا۔ رسا داغ کے شاگرد ہیں۔ ویسا ہی انداز بیان بھی ہے۔

جناب کیفی حیدرآبادی اپنی نشست پر تشریف لے آئے ہیں۔ جناب کیفی کا شمار اپنے عہد کے ممتاز اساتذہ میں ہوتا ہے۔ شعر میں محاوروں کو بڑی خوبی سے

باندھتے ہیں۔

۔۔۔۔۔ اور یہ ہیں حضرت یگانہ چنگیزی۔ تعلی کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن فن شاعری میں کسی سے کم نہیں۔

(یگانہ بیٹھنے سے پہلے شعراء پر ایک استغنائی نظر ڈالتے ہیں۔ جگر برا سا منہ بنا کر جوش سے کہتے ہیں)۔

جگر:۔ ہونہہ۔۔۔۔۔۔ یگانہ۔۔۔۔ یا یاس؟

جوش:۔ (طنزاً)۔ غالب شکن۔۔۔۔۔۔ بلکہ یوں کہیئے غالب کے جد اعلیٰ۔

یگانہ:۔ (مسکرا کر)

دنیا مری بلا سے خوش ہو کہ نہ ہو
میں اپنے سے خوش ہوں تو غم دنیا کیا

جگر:۔ (طنزاً) ارے یہ شعر تو اچھا خاصا ہے۔ پھر انہیں غیر شاعر کیوں کہتے ہیں؟

یگانہ:۔ (شان بے نیازی سے)

پڑھ کے دو کلمے اگر کوئی مسلماں ہو جائے
پھر تو حیوان بھی دو روز میں انساں ہو جائے

(لوگوں کی ہنسی راوی کے اگلے اعلان پر اک دم رک جاتی ہے۔)

راوی:۔ عالی جناب حیدر یار جنگ، سید علی حیدر نظم طباطبائی ۔۔۔۔۔۔ رونق محفل ہو رہے ہیں۔ گور غریباں کے شاعر۔ اساتذہ فن بھی آپ کی عزت کرتے ہیں۔

(نظم طباطبائی مسند صدارت کے قریب ہی بیٹھتے ہیں)

۔۔۔۔۔ لیجئے۔ جناب عابد مرزا بیگم بھی اپنی نشست سنبھالنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیگم ریختی کے منفرد شاعر ہیں۔ پڑھنے کا انداز بھی منفرد ہے۔ (بیگم کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہیں)۔

حیرت:۔ جناب بیگم۔ چلے آیئے۔ یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ جھجک کاہے کی؟

جانتے ہیں سب یمین السلطنت کی ہے کنیز
کون سی محفل میں تیرا ذکر اے بیگم نہیں

(بہت خوب، سبحان اللہ کے شور میں بیگم آداب کرتے ہوئے اپنی نشست پر آکر

(بیٹھ جاتے ہیں)

راوی:۔ عالی جناب ترک علی شاہ ترکی تشریف لارہے ہے۔ جناب ترکی اپنے زمانے کے استاد فن سمجھے جاتے ہیں۔ اکثر مشاعروں میں مرکز توجہ بنے رہتے ہیں۔

(جناب ترک علی شاہ ترکی اپنے مخصوص لباس اور انداز بے نیازی کے ساتھ آکر پہلے ایک جگہ پھر اٹھ کر مسند سے لگ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خادم کو گھور کر دیکھتے ہیں جو گھبرا کر چلا جاتا ہے۔ شاعروں کی نشستیں اس طرح مقرر کی جائیں کہ مشاعرہ پڑھتے وقت آمنے سامنے کے شاعروں کی باری یکے بعد دیگر آئے)

ترکی:۔ کیا بات ہے جناب حیرت صاحب ..... کچھ بے چین سے لگ رہے ہیں۔

حیرت:۔ بجا فرمایا ترکی صاحب ..... میں سوچ رہا تھا آج جوش صاحب ایسے بے جوش کیوں بیٹھے ہیں!

ترکی:۔ فرمایئے جوش صاحب .... کیا راز ہے۔

حیرت:۔ سنا ہے، کل رات حضرت کسی بائی جی کا گانا سنتے رہے۔

(ہلکے سے قہقہے)

جوش:۔ جناب والا۔ لگتا ہے میرا وہاں جانا حیرت صاحب کو بہت کھلا۔ قبلہ باہر ہی سے لوٹ گئے (سب ہنستے ہیں)

جگر:۔ حیرت صاحب اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں .....

چھاج سی ڈاڑھی لگاکر اے رقیب
کوچہ جاناں میں مت پھنکا کرو

(قہقہہ)

ترکی:۔ شائد جگر صاحب ہی کے لئے ریاض نے کہا تھا۔

شرماؤ ریاض مئے کشی سے لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

فانی۔ حضرات اب ڈاڑھی والوں کی گلوخاصی کی جائے۔ وجاہت اور حسن بغیر ڈاڑھی کے بھی ممکن ہے۔.... کیوں جوش صاحب؟

(جوش آداب بجا لاتے ہیں)

بیگم:۔ حضور والا۔ اجازت ہو تو یہ بیگم بھی کچھ عرض کرے۔ بات بس اتنی سی ہے حضور کہ جگر صاحب کی ڈاڑھی ہاتھ بھر کی کہاں ہے؟ (رک کر شرماتے ہوئے)

اور پھر ......

سبزۂ رخسار سے تکمیل ہوگی حسن کی
(سب لوگ ہنستے ہیں)

راوی:۔ اور حضرات اب محفل کو رونق بخشنے والے ہیں بہ نفس نفیس یمین السلطنت عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد۔ اور ان کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں عالی جناب فصاحت جنگ جلیل، نواب تراب یار جنگ سعید، نواب عزیز یار جنگ عزیز اور راجہ نرسنگ راج بہادر عالی۔ حضرت جلیل زبان وادب کے استاد، فن سخن پر مکمل گرفت رکھتے ہیں۔ اثر آفریں مضامین کو لطیف انداز سے ادا کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ حضرت سعید نے زندگی اور شاعری، دونوں میں وضع کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ حضرت عزیز کا شمار دکن کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے اور جناب "عالی"، اردو کے بلند پایہ شاعر اور مہاراجہ بہادر کے قریبی مصاحب ہیں۔

(سب لوگ تعظیماً کھڑے ہوجاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔ مہاراجہ کے مسند صدارت پر بیٹھ جانے کے بعد سب لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ مہاراجہ کے ہمراہ آنے والے شعراء بھی سب اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے ہیں)

مہاراجہ:۔ خدائے برتری کی مہربانی ہے کہ آج اس فقیر کے خانہ بے مایہ کو ایسے بلند پایہ شعراء کی موجودگی سے سرفراز کیا ہے۔ آپ جیسے باکمال سخن وروں کے درمیان اپنے آپ کو پاکر یہ بندہ ناچیز بے حد خوشی اور فخر محسوس کر رہا ہے۔

(جلیل کھڑے ہوکر اعلان کرتے ہیں)

جلیل:۔ یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد کی اس محفل ایوان شاد کی شادابی و توقیر کی افزائی کے لئے حضرت ظل سبحانی، خسرو اقلیم سخن، بندگان اقدس حضور میر عثمان علی خاں عثمان نے اپنی غزل سے اس مشاعرے کو نوازا ہے۔

(دو چوب دار ہاتھوں میں چاندی کے دو طشت اٹھائے آتے ہیں جن پر ریشمی طشت پوش ڈھکے ہیں۔ چوب داروں کے پیچھے دستار بگلوس میں ایک مصاحب (یا نائب) سرکار بھی ہے۔ چوب دار طشتوں کو مسند پر مہاراجہ کے آگے رکھ کر ہٹ جاتے ہیں۔)

مہاراجہ:۔ اعلی حضرت بندگان عالی کی نوازش سر آنکھوں پر ۔ مشاعرے کا آغاز کلام شاہانہ سے ہوگا۔

(حضرت جلیل کے اشارے پر ایک چوب دار بڑھ کر ایک طشت اٹھاکر مصاحب سرکار کے آگے پیش کرتا ہے ۔ مصاحب کپڑا ہٹاکر ادب سے کلام شاہانہ طشت میں سے نکالتا ہے جو ایک رنگین اور بڑے سائز کے کاغذ کے رول کی شکل میں ہے ۔ اسے کھول کر مصاحب شاہ اپنی پاٹ دار آواز میں ترنم کے ساتھ کلام شاہ (غزل) سناتا ہے ۔ سب لوگ مود بانہ ہمہ تن گوش ہیں۔
ابتداء میں جلیل، نظم طباطبائی کے ساتھ مہاراجہ بہادر مصرعہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

ہر شعر پر سارے شاعر جی کھول کر داد دیتے ہیں۔)

غزل

دشوار ہے تحمل دردِ جگر مجھے
جی کھول کر تڑپنے دے اے چارہ گر مجھے

ہے برہمی بزم کا اندیشہ و اعظا
آثار صبح آتے ہیں کچھ کچھ نظر مجھے

صیاد سے امید رہائی تھی یوں کہاں
چھوڑا قفس سے جان کے بے بال و پر مجھے

نقش وفا ہوں صفحہ ہستی پہ جان لو
ہرگز مٹا سکیں گے نہ بیداد گر مجھے

شمع حریم عشق ہوں میں سوختہ جگر
عثمان بجھا سکے گی نہ باد سحر مجھے

(غزل کے اختتام پر مصاحب شاہ اسے اسی طرح نقری تھال میں رکھ دیتے ہیں اور چوب دار اسے پھر مسند پر رکھ دیتا ہے ۔ مصاحب مسند کی پشت کی جانب ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں. جہاں پہلے سے دونوں چوب دار بھی کھڑے ہیں
مہاراجہ بہادر اب جناب غلام مصطفی رسا کی طرف دیکھتے ہیں جس پر رسا کھڑے ہوکر باواز بلند کہتے ہیں۔)

رسا:۔ کلام خسروی سے ایوان شاد کے اس مشاعرے کی سرفرازی کے بعد ..... اب شمع مشاعرہ جناب ماہر القادری کے آگے آرہی ہے ۔ جیسا کہ پچھلے ماہ اعلان کیا جاچکا ہے آج کا مشاعرہ غیر طرحی ہے اور اسی طرح کلام سناتے وقت شعراء کرام کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر بھی غیر رسمی رہے گی۔ (اس دوران مہاراجہ کا خادم

آکر شمع جناب ماہر القادری کے آگے رکھ جاتا ہے)۔

...... جناب ماہر القادری......

ماہر القادری: (مہاراجہ سے) اجازت عالیہ......؟

مہاراجہ:۔ ارشاد........

ماہر القادری:۔ (ترنم سے)

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ، ہر چیز نظر ہوجاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں کونین ادھر ہوجاتی ہے
تنہائی کے نازک لمحوں میں کچھ تم بھی ستارو بات کرو
تم نے تو وہ شب دیکھی ہوگی جس شب کی سحر ہوجاتی ہے
ہر سانس میں ہچکی کا آنا ، ہر اشک میں غم کا افسانہ
کیا دل کے دھڑکنے کی ماہران کو بھی خبر ہوجاتی ہے

(دیر تک داد ملتی ہے)

رسا:۔ صاحبان کرام، اب جناب حیرت بدایونی، شمع مشاعرہ کے سامنے ہیں (شمع لاکر رکھ دی جاتی ہے) جناب سید حسن حیرت بدایونی......

حیرت:۔ اجازت ہے جناب مہاراجہ بہادر.......؟

مہاراجہ:۔ فرمایئے.......ارشاد۔

حیرت: مطلع عرض ہے۔

کسی سے بھی بلندی عشق کی جانی نہیں جاتی
خرد بھی ماورائے حد امکانی نہیں جاتی
اک ایسی بھی حقیقت جلوہ فرما ہے دو عالم میں
جو اپنی بے نقابی پر بھی پہچانی نہیں جاتی
اسی کو چاہتا ہے جس نے ٹکڑے کردیئے دل کے
نہیں جاتی دل ناداں کی نادانی نہیں جاتی
شکستوں پر شکستیں زندگی بھر میں نے کھائی ہیں
مگر پھر بھی تمناؤں کی طغیانی نہیں جاتی
تسلی پہ تسلی دے رہا ہے باغباں پھر بھی
چمن میں رہنے والوں کی پریشانی نہیں جاتی
کچھ ایسی چھا رہی ہیں عشق کی نیرنگیاں حیرت

کہ مجھ سے بھی خود اپنی شکل پہچانی نہیں جاتی

(سبحان اللہ ۔۔۔۔۔ واہ واہ ۔۔۔۔۔۔)

رسا:۔ اور اب صاحبان کرام ۔۔۔۔ شمع جناب امجد حیدرآبادی کے سامنے ہے ۔۔۔۔ جناب امجد حیدرآبادی۔

امجد:۔ (مہاراجہ سے)۔اجازت ہو تو پہلے ایک رباعی پیش کروں۔

مہاراجہ:۔ ارشاد، امجد صاحب۔

امجد:۔ ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

(داد و توصیف کا شور)

ترکی:۔ امجد صاحب ۔۔۔۔۔ ایک رباعی اور ہو جائے۔

امجد:۔ (مہاراجہ سے ارشاد کا اشارہ پا کر)

کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے
مانند حباب ابھر کے اتراتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات پر فخر خسیس
تنکا تھوڑی ہوا سے اڑجاتا ہے

(پھر سبحان اللہ، واہ واہ کا شور)

۔۔۔ اب آج کے مشاعرے کی غزل پیش خدمت ہے۔

بہت سوچا، سمجھ میں کچھ نہ آیا مجھے کس نے بنایا، کیوں بنایا

(ترکی اس شعر پر پھڑک پھڑک جاتے ہیں، ران پر ہاتھ مار مار کر دہراتے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ مجھے کس نے بنایا، کیوں بنایا ۔۔۔ ہائے ۔۔۔۔ کوئی بتائے ۔۔۔۔ مجھے کس نے ۔۔۔۔۔۔)

عدم میں کس مزے سے سو رہا تھا مجھے کس نے جگایا، کیوں جگایا

(اس مرتبہ یگانہ جوش میں اچھل اچھل کر داد دیتے ہیں ۔۔۔۔ اور جناب ترکی سے کہتے ہیں۔ "اب فرمائیے ترکی صاحب ۔۔۔۔۔ کیا جواب ہے اس کا؟")

پھر آخر اس بھری محفل سے امجد مجھے کس نے اٹھایا، کیوں اٹھایا

رسا: حضرات۔ اب شمع جناب محمد حسین آزاد کے سامنے آرہی ہے ..... جناب محمد حسین آزاد۔

(آزاد مودبانہ مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہیں)

مہاراجہ:۔ ارشاد آزاد صاحب۔ اپنی پر لطف شاعری سے محفل کو گلزار بنا دیجئے۔

آزاد: مہاراجہ بہادر کا حکم سر آنکھوں پر ..... عرض کیا ہے ... (رک کر)۔ پہلے دو شعر پیش خدمت ہیں۔

عسرت کا ہے تقاضا دے لو گلے میں پھانسی
فیشن کا ہے یہ آڈر کالر میں بل نہ آئے

ادب مشرق بھی کرتا ہے ، ادب مغرب بھی کرتا ہے
وہاں ٹوپی اترتی ہے ، یہاں جوتا اترتا ہے

(ہر شعر پر خوب واہ واہ)

... اور اب غزل کا مطلع عرض ہے۔

کون کہتا ہے کوئی یار نظر آتا ہے
یار منجملہ اغیار نظر آتا ہے
دیکھو افیونی کی نظروں سے تو گچی کی طرح
چارمینار سبک سار نظر آتا ہے
ریل کے ڈبے ، مسافر تو ہوئے دریا برد
ایک انجن فقط اس پار نظر آتا ہے
قابل دید ہے آزاد کلام شاعر
چھپ کے گلدستہ اشعار نظر آتا ہے

(تعریف ..... واہ وا)

رسا: اور اب جگر تھامیے .... شمع محفل حضرت جگر مرادآبادی کے سامنے آرہی ہے .... حضرت جگر مرادآبادی۔

(جگر مہاراجہ بہادر کی طرف دیکھتے ہیں)

مہاراجہ:۔ ارشاد جگر صاحب .... مگر اپنی مترنم آواز میں۔

جگر:۔ (آداب بجالا کر، اور پہلے ہلکے ہلکے سے گنگنا کر، اپنے مخصوص ترنم میں)

دل گیا ، رونق حیات گئی
غم گیا ، ساری کائنات گئی

(واہ وا کا شور۔ نظم صاحب مکرر پڑھواتے ہیں)

تیری باتوں سے آج تو واعظ
وہ جو تھی خواہش نجات گئی
مرگ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اک مسیحا نفس کی بات گئی
قید ہستی سے کب نجات جگر
موت آئی ، اگر حیات گئی

(داد و تحسین کا شور)

رسا:۔ اب شمع آرہی ہے ۔۔۔۔ (رک کر عابد مرزا بیگم کی طرف دیکھ کر) جناب عابد مرزا بیگم کے سامنے ۔۔۔۔ جناب بیگم

(بیگم ابھی شرمائے بیٹھے ہیں)

ترکی:۔ گر نازنیں کہے سے برا مانتے ہو تم ۔ میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی

(دبے دبے قہقہوں کا شور)

مہاراجہ:۔ جناب بیگم صاحب ۔۔۔۔ ارشاد ۔۔۔۔ سب گوش بر آواز بیٹھے ہیں۔

بیگم:۔ (جیسے خوشی سے اچھل کر) بیگم کو بس حضور کے حکم کا انتظار تھا۔۔۔۔ لیجئے حاضر ہے ۔۔۔ (دوپٹہ اوڑھ کر گلا صاف کرتے ہیں)

ترکی:۔ (چھیڑتے ہوئے)۔ کیا سازندوں کو بلا لیا جائے ؟

بیگم:۔ حضور والا بے ادبی معاف ۔ مگر لگتا ہے شعر و ادب کے اس پر بہار گلشن میں عنادل کے ساتھ کوئی بوم بھی گھس آیا ہے ۔۔۔۔

ترکی:۔ (مسکرا کر) ارے برا مان گئے! جانے دیجئے بیگم ۔۔۔۔ دل مت دکھایئے اپنا۔

بیگم:۔ (اٹھلا کر)

شیشہ دل توڑ کر بولا وہ شوخ
دیکھتے تھے ، چھٹ پڑا ، ہم کیا کریں

(ہائے کیا برجستگی ہے ، چھٹ پڑا ہم کیا کریں، کیا انداز ہے بیگم ۔۔۔۔ جواب نہیں ۔۔۔۔ واہ واہ کا شور)

۔۔۔ لیجئے اب بیگم کی غزل حاضر ہے۔

وہ ہیں پردیس میں اور غیر حالت ہے یہاں میری
یہ ساون کا مہینہ اور یہ انگڑائیاں میری
چمن سے دور ہوں، بے بس ہوں، کیا میں کیا زباں میری
کلیجہ تھام لو جی، پھر سنو تم داستاں میری
وہ مجھ کو چاہتے ہیں، میں بھی ان پر جان دیتی ہوں
ادھر بے باکیاں ان کی ادھر بے باکیاں میری

(بہت خوب بیگم۔ اس بے باکی کے صدقے جائیے۔ سبحان اللہ)

جونک سک سے ہوا اچھا، اس کو دل سے پیار کرتی ہوں
میں بڑھیا ہوگئی ہوں پر طبیعت ہے جواں میری

(تحسین کی آوازیں.... "کیا روانی ہے...... صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔....")

پکڑتا ہے کوئی یوں ہی کسی کا ہاتھ چھوڑو بھی
ہوئی جاتی ہیں ٹھنڈی دیکھو مرزا چوڑیاں میری
کیا ہے یاد کس نے کون ہے وہ چاہنے والا
ہیں روکے سے نہیں رکتیں الٰہی ہچکیاں میری

(دیر تک تعریف کا شور۔۔ مہاراجہ بھی تعریف میں شامل۔ بیگم ادب سے کھڑے ہوکر مہاراجہ کو آداب کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں)۔

کجا میں اور کجا یہ شاد کا دربار اے بیگم
کہاں سے کھینچ لائی دیکھیے قسمت کہاں میری

(تعریف کے جواب میں آداب کرتے ہوئے بیگم بیٹھ جاتے ہیں)

رسا:۔ (مہاراجہ سے اشارہ پاکر)۔ شمع محفل اب جناب راجہ بہادر نرسنگھ راج عالی کے سامنے آرہی ہے.... جناب نرسنگھ راج عالی.....

عالی:۔ (مودبانہ) اجازت ہے مہاراجہ بہادر؟

مہاراجہ:۔ ارشاد.... عالی صاحب

عزیز یار جنگ:۔ راجہ صاحب.... مہاراجہ بہادر سے عالی کی عقیدت مشہور ہے۔ کوئی شعر سنائیے۔

(عالی رک کر مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہیں اور عقیدت میں آنکھیں بند کئے یہ شعر سناتے ہیں)۔

عالی: شاد کی نیک دلی کا یہ اثر دیکھا ہے
جو بھی خواہ نہیں شاد کا وہ شاد نہیں

(بہت خوب۔ حقیقت حال ہے .... سبحان اللہ کا شور)

--اب غزل کا مطلع عرض ہے۔

ایک دیوانہ تھا جو آپ کے گھر سے نکلا
کچھ خبر بھی ہے کہ تھا کون کدھر سے نکلا
تیری بخشش کے ہیں محتاج سبھی شاہ و گدا
وہ کہیں کا نہ رہا جو ترے در سے نکلا
سب گنہ بھول گیا اک اسی امید پہ میں
کوئی مایوس نہ اللہ کے گھر سے نکلا
خاکساری سے ہوا کام وہ اپنا عالی
اہل دنیا کا نہ جو سیم سے زر سے نکلا

(دادو تحسین۔ جس میں حضرت جلیل بھی پیش پیش ہیں)۔

رسا:۔ اور اب آرہی ہے شمع محفل روبرو حضرت جوش ملیح آبادی کے .... حضرت شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی۔

جوش:۔ اجازت ہے .... حضور عالی؟

مہاراجہ:۔ ارشاد جوش صاحب۔

جوش:۔ پہلے ایک رباعی پیش ہے۔

آئی ہے گھٹا مست بنائے گی ہمیں
افلاک پہ جھولے سے جھلائے گی ہمیں
ساقی نہ رکے ہاتھ کہ دم بھر میں یہ رت
ڈھونڈے گی بہت مگر نہ پائے گی ہمیں

(دادو تحسین کا شور)

اب ایک غزل۔ مطلع ہے۔

ارض و سما کو ساغر و پیمانہ کردیا
رندوں نے کائنات کو مے خانہ کردیا

قرباں ترے کہ اک نگہ التفات نے
دل کی جھجک کو جراءت رندانہ کردیا
اے حسن داد دے کہ تمنائے عشق نے
تیری حیا کو عشوہ ترکانہ کردیا
کچھ روز تک تو نازش فرزانگی رہی
آخر ہجوم عقل نے دیوانہ کردیا
آواز دو کہ جنس دو عالم کو جوش نے
قربان اک تبسم جانانہ ، کردیا

(ہر شعر پر داد کا شور)

رسا:۔ اب دعوت کلام دی جاتی ہے حضرت یگانہ کو۔ حضرت یگانہ چنگیزی
(یگانہ چونکتے ہیں۔ جھوم کر شروع کرتے ہیں۔ رک جاتے ہیں۔ مہاراجہ سے
اجازت لیتے ہیں۔ پھر شروع کرتے ہیں)۔

یگانہ:۔

خودی کا نشہ چڑھا ، آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا
پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آنہ گیا
سمجھتے کیا تھے ، مگر سنتے تھے ترانہ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا
میں کرشن کا ہوں پجاری ، علی کا بندہ ہوں
یگانہ شان خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

(تعریفیں۔ ترکی پھر رک جاتے ہیں)

ترکی:۔ یگانہ صاحب بندہ علی ہیں یا ۔۔۔۔۔ بندہ خدا؟

یگانہ:۔ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے ترکی صاحب۔

ترکی:۔ (یگانہ کے انداز میں) سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا۔

یگانہ:۔ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے

رسا:۔ اور اب، شمع مشاعرہ جناب رضی الدین کیفی کے سامنے آرہی ہے

کیفی: (اجازت لے کر)

تم ملے ، مجھ سے ملے ، بے شک ملے ، اکثر ملے
ہاں مگر کس واسطے ، کس طرح سے کیوں کر ملے
بات جو ملنے میں ہونی چاہیئے ملتی نہیں
یوں تو وہ ملنے کو ہم سے رات بھر دن بھر ملے
منزل مقصود اپنی ان سے کوسوں دور ہے
ہم کو کیا گر راہ میں کعبہ ملے ، مندر ملے
آرزو کس کی ہے یہ کیسی ہے اور کس سے ہے یہ
جو جدا ہوتا نہیں ہم سے وہ کیا آکر ملے
جس طرح جس نے کیا ہو، مجھ سے دنیا میں سلوک
یا الٰہی اس کو بدلہ اس سے بھی بہتر ملے
دیدہ لب ریز اک طرف ہم بھی کھڑے ہیں دیر سے
آنکھ ہم سے بھی ذرا اے ساقی کوثر ملے
موت آنے کو ہے کیفی اور دم جانے کو ہے
ہم کسی سے کیا ملیں، ہم سے کوئی کیوں کر ملے

رسا:۔ محترم حضرات ..... شمع محفل اب سامنے ہے جناب فانی بدایونی کے ...
جناب فانی بدایونی.....
(فانی ادباً مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہیں)

مہاراجہ:۔ ارشاد فرمایئے فانی صاحب.....

فانی:۔ (ہلکے ترنم سے)

نزع میں فانی چپکے چپکے تو نے یہ کس کا نام لیا
کیوں اے کافر تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

(داد و تحسین کا شور ...

جوش:۔ (تڑپ کر) ہائے فانی..... کس غضب کا شعر ہے!

جگر:۔ مکرر ارشاد ہو فانی صاحب

(فانی شعر پھر سناتے ہیں)

جوش:۔ خدا کی قسم یہ وہ شعر ہے کہ اگر ساری عمر بھی پڑھے جاؤ تو لطف آتا رہے گا۔

فانی:۔ (مہاراجہ سے) حضور والا یہ شعر تو حضرت جوش کی فرمائش پر تھا....
اب وہ غزل پیش ہے جو آج کے مشاعرے کی نذر ہے۔

مہاراجہ:۔ ارشاد۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔

فانی:۔

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا
اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
چشم ساقی اثر مے سے نہیں ہے گل رنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا
حسن ہے ذات مری، عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا
ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانہ ترے دیوانے کا
ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مرمر کے جئے جانے کا

(تعریف وتوصیف کا ایک شور بلند ہوتا ہے)

جوش:۔ آہ...... زندگی نام ہے مرمر کے جئے جانے کا....

رسا:۔ حضرات محترم .... شمع مشاعرہ اب جناب عزیز یار جنگ عزیز کے روبرو ہے ...... عالی جناب عزیز یار جنگ عزیز......

عزیز: مہاراجہ بہادر..... (طنزاً) یہ فدوی بے مقدار اپنی غزل تحت اللفظ سنانے کی اجازت چاہتا ہے، کہ شعر کی ظاہری و باطنی پرکھ قائم رہے۔

ترکی: (اپنے آپ میں مست) ...... بہت خوب جناب نواب صاحب .... یہ اشارہ کس طرف ہے، ہم جانتے ہیں۔

مہاراجہ:۔ اشارے کو چھوڑیئے، نواب عزیز یار جنگ بہادر..... مطلع ارشاد فرمایئے

نالے دم لیتے نہیں یارب فغاں رکتی نہیں
گو قفس میں بند ہوں لیکن زباں رکتی نہیں
ڈر رہا ہوں ٹوٹ جائیں گی قفس کی تیلیاں
کیا مصیبت ہے ہوائے بوستاں رکتی نہیں

عرش پر جائے گی جائے گی برابر جائے گی
آہ میری آہ زیرآسماں رکتی نہیں
اڑکے ہم پہنچیں گے منزل پر ہوائے شوق میں
کارواں رک جائے گرد کارواں رکتی نہیں
دقتیں حائل ہیں فن شعر میں لیکن عزیز
ایک آندھی ہے مری طبع رواں رکتی نہیں

(داد و تحسین)

رسا:۔ صاحبان ذی شان ۔۔۔۔۔ اب شمع جناب ترک علی شاہ ترکی کے آگے آ رہی ہے
۔۔۔۔۔ عالی جناب ترک علی شاہ ترکی

ترکی:۔ صدر عالی قدر کی اجازت سے مطلع عرض ہے۔
(پہلو بدل بدل کر اضطراری حرکتیں کرتے ہیں)

بیگم:۔ (درمیان میں طنزاً) ہوش و حواس یکجار کھیئے ۔ اب علم و دانش کے دریا بہیں گے

ترکی: (فوراً بے چینی سے)

کب کہتا ہوں یہ کہ علم کا دریا ہوں میں
یا گوہر معنی کا شناسا ہوں میں
تہمت ہے یہ ایک آشنا کی ورنہ
عاقل کہاں کہتا ہے کہ دانا ہوں میں

(واہ وا کا شور)

۔۔۔ غزل کا مطلع عرض ہے:

دو چار فقرے مجھ کو سنا کر کھڑے کھڑے
پھرتے ہیں الٹے پاؤں وہ آکر کھڑے کھڑے
گرتا نہیں ہے بحر سخن میں مرا قلم
دریا میں تیرتا ہے شناور کھڑے کھڑے
جو یار بیٹھتے نہ تھے دم بھر کبھی جدا
پلٹے مجھے لحد میں لٹا کر کھڑے کھڑے
ترکی نے حکم سنتے ہی اپنے حضور کا
لکھی غزل قلم کو اٹھا کر کھڑے کھڑے

(تعریف کا شور)

رسا:- صاحبان محترم ...... اب چائے کا دور ہے۔ مشاعرے میں وقفہ دیا جاتا ہے۔

راوی:- لیکن معزز حاضرین۔ یہ وقفہ ایوان شاد کے مشاعروں کی روایتی تقلید میں دیا گیا ہے آپ سے درخواست ہے کہ اپنی نشستوں پر ہی تشریف رکھیں۔

(پردہ گرتا ہے۔ پانچ منٹ کے بعد پردہ اٹھتا ہے۔ ......
مشاعرے کی وہی ترتیب برقرار ہے۔ چوب دار آکر مسند پر سے دوسرا طشت اٹھالیتا ہے اور شاہی مصاحب (نائب) حسب سابق کپڑا ہٹا کر ادب سے رنگین کاغذ کا رول واکر کے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اسی دوران عزیز یار جنگ عزیز کھڑے ہوجاتے ہیں)۔

عزیز یار جنگ:- (مہاراجہ کی طرف متوجہ ہوکر) صدر مشاعرہ جناب مہاراجہ بہادر، ناچیز کی رائے میں ...... دیوان شاد کی اس شاداب محفل کے تزک واحتشام کو ملحوظ رکھتے ہوئے، مشاعرے کے دوسرے دور کا آغاز شہزادہ والاشان، نواب معظم جاہ بہادر شجیع کی غزل سے کیا جائے جو انھوں نے بطور خاص مرحمت فرمائی ہے۔
..... (مڑکر اہل مشاعرہ اور مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہیں)

مہاراجہ:- یہ تو عین عزت افزائی ہے، جناب عزیز یار جنگ بہادر ...... ہماری اور ایوان شاد کی۔ شہزادہ والاشان، معظم جاہ بہادر شجیع کا کلام سحر اثر سننے کو جی بے قرار ہے۔

(عزیز یار جنگ اپنی نشست پر بیٹھ جاتے ہیں اور مصاحب شاہ اسی طرح خوبصورت ترنم میں شجیع کا کلام سناتے ہیں۔
ہر ہر شعر پر داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں ...... "کیا رنگ ہے ...... کیا رواں انداز ہے ...... سبحان اللہ، کلام ہے یا سحر ہے ...... شہزادہ والا شان اقلیم سخن کے بھی شہزادے ہیں ...... وغیرہ)

غزل

آنکھوں میں سماتے ہی وہ دل میں اتر آئے
اک بار انہیں دیکھا سو بار نظر آئے

آج ان کی نگاہوں میں اک رنگ ندامت ہے
پھر دل کی تباہی کے آثار نظر آئے
جو دل پہ گذرتی ہے وہ دل ہی سمجھتا ہے
یہ آپ پہ کیا گذری کیوں آپ ادھر آئے
دیکھا جو شجیع ان کو اشک آگئے آنکھوں میں
دل بیٹھ گیا لیکن کچھ نقش ابھر آئے

(غزل کے بعد، چوب دار کے ہاتھوں میں نقرئی تھال اور غزل کے ساتھ، مصاحب شاہ دائیں جانب سے اسٹیج کے باہر چلے جاتے ہیں)۔

رسا:۔ مشاعرہ کا دور جاری رکھتے ہوئے اب ...... (مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہوئے) عالی جناب صدر مشاعرہ کی اجازت ہو تو یہ ناچیز اپنی غزل کے چند شعر پیش کرنے کی جسارت کرے۔

مہاراجہ:۔ ضرور، ارشاد .... جناب رسا صاحب (شمع رسا کے سامنے رکھ دی جاتی ہے)

رسا:۔ مطلع عرض ہے۔

ہر چند حسن پر تمہیں زیبا غرور تھا
ہم سے غرور شیوہ الفت سے دور تھا
پابند وضع کچھ تو دل ناصبور تھا
میں ان کے پیچھے پیچھے مگر دور دور تھا
ڈالی بنائے میکدہ جس نے زمانے میں
وہ رند کوئی مرشد کامل ضرور تھا
ایسا مٹا کہ نام ونشاں تک نہیں رہا
کیوں اے فلک میں مظہر شان ظہور تھا
دل میں نہ تھی جو تاب تمنا تو اے رسا
جانا ہی بزم غیر میں پھر کیا ضرور تھا

(سبحان اللہ .... کیا ستھری زبان ہے .... داغ کی یاد تازہ ہو گئی .... وغیرہ)

رسا:۔ حضرات اب شمع آرہی ہے۔ عالی جناب نواب تراب یار جنگ بہادر سعید کے آگے .... نواب تراب یار جنگ بہادر سعید۔

سعید:۔ (مہاراجہ کی طرف دیکھ کر) غزل کے چند اشعار پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں

مہاراجہ:- ارشاد فرمائیے، نواب صاحب۔

سعید:-

وہ دن گئے کہ کہتے تھے دل بے قرار ہے
اب وہ سکون ہے کہ طبیعت پہ بار ہے
تکلیف میں کبھی آئے نہ لب پر کوئی گلہ
سمجھو یہی مشیت پروردگار ہے
وہ تو کہو کہ جذب محبت کا ہے اثر
ورنہ تمہارے وعدوں کا کیا اعتبار ہے
موقوف کب بہاروں پہ ہے انبساط دل
جس باغ میں ہو تم وہیں فصل بہار ہے
دامن نہ چھٹنے پائے صداقت کا ہاتھ سے
یہ اے سعید اہل وفا کا شعار ہے

(مقطع کی تعریف میں مہاراجہ پیش پیش ہیں)۔

رسا:- اب شمع جناب ضامن کنتوری صاحب کے آگے آرہی ہے۔
(ضامن کنتوری صاحب بیاض کھولتے ہوئے مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ اشارہ پاکر شروع کرنا چاہتے ہیں مگر اتنے میں نظم صاحب کہتے ہیں......)

نظم:- ضامن صاحب.... ایک دفعہ وہ شعر پھر سنا دیجئے، جو پچھلے مشاعرہ میں سنایا تھا......
(سوچتے ہوئے)......"ہوکر رہ گئی" والی ردیف تھی۔

ضامن:- (مسکراکر۔ادب سے سلام کرتے ہوئے)

کعبہ دل کیا عمارت تھی جو غم کے ہاتھ سے
دیکھتے ہی دیکھتے مسمار ہوکر رہ گئی

(تعریف کا شور۔ نظم بھی اپنے انداز میں تعریف کرتے ہیں)

...غزل پیش خدمت ہے۔

تم لاکھ چھپو حسن چھپایا نہیں جاتا
رسوائے جہاں ہوگئے پردا نہیں جاتا
ہم سمجھے تھے اے شیخ یہ دو گھر ہیں خدا کے
کیا بت کدے سے کعبے کو رستہ نہیں جاتا

صحرا یہ ہمارا ہے کوئی قیس سے کہدے
اس راستے سے ناقہ لیلی نہیں جاتا
رکھ ہم کو بھی اس بزم میں ساتھ او دل ناداں
خطرہ ہو جہاں واں کوئی تنہا نہیں جاتا
ہاں ، ہاتھ تو رنگیں ہوئے یہ کھیل برا ہے
پانی کی طرح خون بہایا نہیں جاتا
آہنگ طرب چھیڑ یہ ہے شاد کی محفل
کیا ہے کہ جو ضامن تیرا رونا نہیں جاتا

رسا:۔ صاحبان کرام، اب شمع مشاعرہ عالی جناب حیدر یار جنگ بہادر سید علی حیدر نظم طباطبائی کے سامنے آتی ہے .....

(شمع جناب علی حیدر نظم طباطبائی کے سامنے رکھ دی جاتی ہے .... مگر جناب نظم اسے گھورتے ہوئے خاموش بیٹھے ہیں۔ چند لمحے بعد راجہ نرسنگ راج عالی کہتے ہیں)

عالی:۔ کیا بات ہے ۔قبلہ جناب نظم طباطبائی صاحب ..... کسی سوچ میں غرق لگتے ہیں!

حضرت جلیل:۔ جی نہیں عالی صاحب .... شائد شمع کو اب میرے سامنے آنا چاہیئے تھا۔ اسی پر طبیعت مکدر ہوگئی۔ بل پڑ گئے۔ ابرو تن گئے۔

نظم:۔ (مسکرا کر پلٹتے ہوئے) جی نہیں، حضرت قبلہ جلیل صاحب۔ یہ بات نہیں ہے۔ .... مگر یہ کیا فرمایا؟ ابرو تن گئے؟ .... نہیں جناب جلیل صاحب تن گئے نہیں ..... ابرو مونث ہے۔

جلیل:۔ یہ کیا فرمارہے ہیں جناب نظم صاحب .... سارا لکھنو مذکر باندھتا ہے۔ ناسخ نے کہا ہے ...

"تیرے ابرو نہیں محراب حرم ہیں قاتل
کیوں نہ خم آٹھ پہر صورت شمشیر رہیں

نظم:۔ دلی والے ابرو کو مونث باندھتے ہیں۔ ظفر کا شعر ہے۔

دیکھنا بھونچال سے ہل جائے گا سارا جہاں
اک ذرا ابرو اگر اس فتنہ گر کی ہل گئی "

---۔ آپ جناب نواب فصاحت جنگ جلیل .... استاد فن، سخن شناس .....

بھلا .....

جلیل۔(درمیان میں) مگر جناب نظم طباطبائی صاحب .... ابرو کو مذکر ہی ہونا چاہیئے ..... جیسے آنسو ..... بازو ....

نظم:۔ جلیل صاحب، معاف فرمایئے ۔ تذکیروتانیث کے لئے معنی دیکھنے چاہیئں .... ابرو کے معنی، بھؤں، جو مونث ہے۔

مہاراجہ:۔ (باری باری دونوں سے متوجہ ہوتے ہوئے) عالی جناب فصاحت جنگ جلیل صاحب اور عالی جناب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی صاحب ۔ آپ دونوں زبان وادب کے اساتذہ، شعروسخن کے استاد .... ابرو کی تذکیروتانیث پر بھلا بحث سے کیا حاصل ۔ (رک کر) بات سیدھی سی ہے ۔ بات اگر عاشق کے ابرو کی ہورہی ہو تو ..... مذکر اور اگر معشوق کی ہورہی ہو تو ..... مونث۔ قصہ ختم

(سبحان اللہ، کیا بات پیدا کی ہے .... وغیرہ ستائشی جملوں کے ساتھ قہقہے بھی شامل ہوجاتے ہیں)۔

نظم:۔ وہ برہم ہوگئے زلفیں ذرا رخ سے جو سرکائیں
خطاگر اور کچھ ہوتی نہیں معلوم کیا ہوتا

ترکی:۔ قبلہ نظم صاحب تو معاملات عشق میں شاعری سے تہذیب کا دامن کبھی چھوڑتے ہی نہیں۔۔ کہیں درد بنتے ہیں۔

کیا کہیں کیونکر تھمے ، کیونکر چلے
مضطرب آئے یہاں مضطر چلے

کہیں داغ ہیں۔

انگڑائیوں میں پھیلتے ہیں بار بار ہاتھ
شیشے کی سمت بڑھتے ہیں بے اختیار ہاتھ

نظم:۔ کہاں جناب ترکی صاحب۔ داغ، داغ ہی ہیں۔

نہ ہوا داغ کا جواب اے نظم
طبع کو آزما کے دیکھ لیا

ترکی:۔ مگر جناب نظم صاحب .... کئی جگہ تو آپ نے داغ کو بھی جلا کے چھوڑ دیا۔

جلے ہیں غیر کیا کیا جب وہ خلوت سے مری نکلے
پریشاں باندھ کے گیسو دوپٹہ اوڑھ کر الٹا

(واہ وا کا شور)

مہاراجہ:۔ بہت خوب قبلہ نظم صاحب .... ارشاد فرمایئے .... شمع کب سے لو لگائے منتظر کھڑی ہے۔

نظم:۔ لیجئے .... تعمیل حکم میں غزل کا مطلع عرض ہے۔

بہار مے کشی آئی چمن کی رت بدلتی ہے
گھٹا مستانہ اٹھتی ہے ہوا مستانہ چلتی ہے
یہ کس کی ہے تمنا چٹکیاں لیتی ہے جو دل میں
یہ کس کی آرزو ہے جو کلیجے کو مسلتی ہے
بنا رکھی ہے غم پر زیست کی یہ ہوگیا ثابت
نہ لپکا آہ کا چھوٹے گا جب تک سانس چلتی ہے
نہ دکھلانا الٰہی ایک آفت ہے شب فرقت
نہ جو کاٹے سے کٹتی ہے، نہ جو ٹالے سے ٹلتی ہے
جہنم کی نہ آنچ آئے گی مے خواروں پہ او واعظ
شراب آلودہ ہو جو شئے وہ کب آتش میں جلتی ہے
یہ اچھا شغل وحشت میں نکالا تو نے اے حیدر
گریباں میں الجھنے سے طبیعت تو بہلتی ہے

(داد و توصیف کا جواب تکلف سے دیتے ہیں)

رسا:۔ محترم سامعین اور شعراء کرام .... اب عالی جناب نواب فصاحت جنگ جلیل کے روبرو شمع مشاعرہ آئی ہے .... نواب فصاحت جنگ جلیل۔

مہاراجہ:۔ ارشاد فرمایئے .... جناب، قبلہ جلیل صاحب .... سب ہمہ تن گوش ہیں۔

جلیل:۔ (مہاراجہ کو شکریے کا سلام کرکے)

مطلع عرض ہے۔

اس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے
فتنوں نے پاؤں چوم کے پوچھا کہاں چلے

(دیر تک داد کا شور)

کیا پوچھتے ہو ہجر کے مارے کہاں چلے
آتے نہیں پلٹ کے جہاں سے وہاں چلے
آنکھوں میں کون آکے الٰہی نکل گیا
کس کی تلاش میں مرے اشک رواں چلے
جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو زمین چلے ، آسماں چلے

(نظم بھی داد میں شریک ہوتے ہیں)

ذکر حبیب سے نہ ہو غافل کبھی جلیل
چلتا رہے یہ کام بھی جب تک زباں چلے

(واہ وا...... سبحان اللہ کا شور)

رسا:۔ اور اب.... حضرات محترم.... آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں..... شمع محفل محترم صدر مشاعرہ، سرکشن پرشاد شاد کے مقابل آرہی ہے..... مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد شاد۔

مہاراجہ:۔ ......ایک رباعی پیش ہے۔

(ارشاد۔ ارشاد کی آوازیں)

ہندو ہیں کسی راہ پر اے شاد اڑے
مسلم ہیں کسی راستے پر جا کے کھڑے
عارف تو پہنچ چکے جہاں جانا تھا
" میں تو ، میں قیامت کے پڑے ہیں جھگڑے

(تحسین وستائش کا شور)

اب ایک..... غزل ہوئی ہے۔
مطلع عرض ہے۔

راہ کعبہ چھوڑ کے جاتے ہیں مے خانے کو ہم
توڑ کر ظرف وضو لیتے ہیں پیمانے کو ہم

(مطلع پر یگانہ اور ترکی داد میں پیش پیش)

اپنے دل سے مذہب شیخ و برہمن چھوڑ کر
اک روش پر دیکھتے ہیں خویش و بیگانے کو ہم

زندگی میں وصل تیرا غیر ممکن ہے اگر
بعد مردن گر ملے راضی ہیں مرجانے کو ہم

دل ہمارا تنگ آیا ہجر سے تیرے صنم
کیا کریں جائیں کدھر اب اس کے بہلانے کو ہم

روز وصل یار میں آنے کو ہے فصل بہار
شاد آباد اب کریں گے ، دل کے ویرانے کو ہم

(شاد کی غزل کے اختتام پر داد و مرحبا کا شور جاری رہتا ہے .... اور پھر اسٹیج پر روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔ یک لخت اسٹیج پر ہر شخص ساکت و صامت ہو جاتا ہے۔ مدھم روشنی میں جو جہاں، جس حالت میں ہے بے حس و حرکت بیٹھا رہتا ہے اور مکمل خاموشی چھا جاتی ہے .... ایسے میں راوی کی جذبات میں ڈوبی آواز سنائی دیتی ہے ....)

راوی:- یہ تھی آج سے کوئی ساٹھ سال پہلے حیدرآباد کی ایک محفل .... بذلہ سنجی اور شعر و سخن ہی نہیں، تہذیب و شائستگی ..... اور سب سے بڑھ کر بھائی چارگی کا گہوارہ ....

--- ایوان شاد کے مشاعرے مرقع ہوا کرتے تھے .... تسکین ذوق اور آداب محفل کے

(پس منظر میں سازی موسیقی (ستار) کے ہلکے ہلکے سر)

... مہاراجہ کشن پرشاد جیسی علم دوست، دریا دل اور ہمہ گیر ہستیاں آج عنقا ہیں۔

ایک آواز

جس شرافت کی اداؤں پر رہا مشرق کو ناز
اٹھ گئی اب وہ شرافت ، وہ شرافت تجھ سے تھی

زندہ رکھا تھا سخاوت نے تو خود حاتم کا نام
اور تیرے دور میں زندہ سخاوت تجھ سے تھی

(فانی)

دوسری آواز:-

جناب شاد کی پھر یاد ہوگئی تازہ
سعید روح سخن آج اضطراب میں ہے

راوی (خاتون):۔ سرزمین دکن ساٹھ، ستر یا سو دو سو نہیں، چار سو سال سے انسانیت، محبت اور ذوق سلیم کو پروان چڑھاتی رہی ہے۔ جہاں شعر و سخن، عشق و محبت، الفت و مروت کی ہوائیں چلتی ہیں، جبر و تشدد کے بادل اڑا لے جاتی ہیں .... ہری بھری شاخوں سے گزرتی ہیں تو گھونگروؤں کے " بھاگ" کھل جاتے ہیں۔

(اس کے ساتھ ہی ایک جھنکار کے ساتھ ستار، بانسری، گھنگرو اور وائلن کی سنگت میں یہ چار مصرعے مردانہ آواز اور پراثر طرز میں گائے جاتے ہیں۔ آخری مصرعے پر پہنچنے تک اسٹیج پر مکمل

شہر باقی ہے، محبت

دل بری باقی ہے، در

سرفہرست

تو نہیں ۔

***

کتابیات

کتاب	مصنف
۱۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد۔	ڈاکٹر حبیب ضیاء
۲۔ فانی بدایونی	ڈاکٹر مغنی تبسم
۳۔ نظم طباطبائی	ڈاکٹر اشرف رفیع
۴۔ مرقع سخن (جلد اول و دوم)۔	ڈاکٹر زور (مدیر عمومی)
۵۔ حیدرآباد کبھی ایسا بھی تھا	تمکین کاظمی (سلسلہ مطبوعات "سیاست")
۶۔ یادگار ضیغم	عبداللہ خاں ضیغم (مخطوطہ۔ادارہ ادبیات اردو)
۷۔ مجلہ عثمانیہ (مہاراجہ نمبر ۱۹۴۰ء)	جامعہ عثمانیہ
۸۔ یادگار حضرت شاد۔	راجہ بہادر نرسنگ راج عالی
۹۔ یادوں کی بارات	جوش ملیح آبادی
۱۰۔ جوش اور دیار دکن	مائل ملیح آبادی

۱۱۔اس کے علاوہ مختلف شعرا کے دواوین

***

غلام جیلانی

۱۹۲۶ء میں دلی کے قریب پل ول میں پیدا ہوئے۔ لیکن ساری تعلیم حیدر آباد میں حاصل کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس سی کر کے وہیں لکچرر مقرر ہوئے اور ۱۹۸۶ء میں بہ حیثیت ریڈر ریٹائر ہوئے۔

پہلا افسانہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا اور پہلا ڈراما ۱۹۵۴ء میں۔ ہندوپاک کے تقریباً تمام موقر ادبی رسالوں میں افسانے اور ڈرامے شائع ہوتے رہے۔ ڈرامے اسٹیج بھی ہوئے اور آل انڈیا ریڈیو کے تقریباً نصف درجن اسٹیشنوں سے نشر بھی ہوئے۔

مصنف کی دیگر کتابیں:

۱۔ "دوسرا کنارا" (ڈرامے) مطبوعہ ۱۹۹۰ء۔

۲۔ "آٹھواں سفر" (افسانے) مطبوعہ ۱۹۹۳ء۔